میثم قادری

اسلامی نصاب حصّہ سوم

# تحریکِ پاکستان
# اور
# اُس کے عوامل

محمد عبد الحکیم قاضی۔ ایم۔ اے

الحکمت
۲۸۔ صدّیق سٹریٹ۔ اسلام پورہ۔ لاہور

# تحریکِ پاکستان

اور

# اُس کے عوامل

تالیف

قاضی محمّد عبدالحکیم ایم۔اے

الحکمت ۲۸۔ صدیق سٹریٹ حیدر روڈ
اسلام پورہ۔ لاہور

کتاب — تحریکِ پاکستان اور اُس کے عوامل

تالیف — قاضی محمد عبدالحکیم ایم۔ اے

تائید — محمد عبدالحکیم شرف قادری

کتابت — پیرزادہ بدر نظامی، لاہور

تزئین — محمد عاشق حسین ہاشمی خوش نویس

مطبع — سیبون برادرز پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد — پانچ سو

ناشر — الحکمت ۲۸۔ صدیق سٹریٹ
اسلام پورہ۔ لاہور

قیمت — ۱۲ روپے

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور




## اس کتاب کے مضامین

# انتساب

## نوجوان مسلمانوں کے نام

اللہ کرے کہ وہ اِس کتاب کے مضامین کو پڑھیں اور ان پر غور و فکر کر
اور وطن عزیز کے استحکام اور اس کی عظمت و شان کو بلند کرنے میں موثر کر
ادا کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ آمین :۔



(۱)

# اعتراف اور شکریہ

میں تاریخ میں ایم اے ہوں اور میں نے یہ مضمون کوئی سات سال تک پڑھایا ہے۔
طالعہ کا بے حد شوق ہے۔ اصل اور ضخیم کتابیں غور و خوض سے پڑھی ہیں۔ تاہم یہ اعتراف
خلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی تالیف "تحریک پاکستان اور اسکے عوامل" کی تیاری کے دوران
مندرجہ ذیل تین کتابیں میرے مطالعہ میں رہی ہیں۔ اس کتاب کے مندرجات انہی تین قیمت
تابوں سے ماخوذ ہیں۔

(۱) اے شارٹ ہسٹری آف پاکستان جلد چہارم۔ مولفہ اے حمید کراچی یونیورسٹی جنرل ایڈیٹر آئی ایچ قریشی

(۲) مرغزار گورنمنٹ کالج شیخوپورہ قائد اعظم نمبر۔ دسمبر ۱۹۷۶ء

(۳) تحریکِ آزادیِ ہند اور السواد الاعظم مولفہ پروفیسر محمد مسعود احمد رضا پبلی کیشنز داتا بازار لاہور۔ تمام متعلقہ حضرات کا تہِ دل سے شکریہ۔

نوجوان مسلمانوں سے التجا ہے کہ وطن عزیز کے بارے میں صحیح حالات معلوم کرنے
کے لیے ان قابلِ قدر کتابوں کا مطالعہ کریں۔

## نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
## پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مولانا ظفر علی خان کا یہ مشہور شعر خلاصہ ہے قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کا۔

| | |
|---|---|
| (ظالم) چاہتے ہیں۔ | يُرِيدُونَ |
| اپنے منہ سے بجھادیں۔ | لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ |
| (قرآن کریم کو شعر۔ سحر اور کہانت بتاکر) | بِأَفْوَاهِهِمْ |
| اللہ کا نور | |
| (دین ربی اسلام) | |
| اور اللہ کو۔ | وَاللَّهُ |
| اپنا نور پورا کرنا۔ | مُتِمُّ نُورِهِ |
| پڑے برا منائیں کافر۔ | وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ |
| وہی ہے جس نے | هُوَ الَّذِي |
| اپنا رسول | أَرْسَلَ رَسُولَهُ |
| ہدایت | بِالْهُدَىٰ |
| اور | وَ |
| سچے دین کے ساتھ | دِينِ الْحَقِّ |
| کہ اسے غالب کرے۔ | لِيُظْهِرَهُ |
| سب دینوں پر | عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ |
| پڑے برا منائیں مشرک۔ | وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ |

(الصف ۶۱: ۹)

تحریک پاکستان کی کامیابی مشیت الٰہی کے اس اصول کی زندہ تفسیر ہے، ہنود یہود اور نصاریٰ نے مل کر اس تحریک کا گلا گھونٹنے کی ہر امکانی کوشش کی۔ مگر انہوں نے جس قدر اس تحریک کو دبایا اس قدر یہ تحریک ابھری۔ یہ تحریک حق تھی حریت اور آزادی اسلام اور مسلمانوں کا حق ہے۔ انہوں نے اس کے لئے ہر قربانی صبر و استقلال سے دی۔ اللہ کریم نے انہیں کامیابی سے ہم کنار فرمایا۔

وہ قادر قدیر ہے۔ اپنے بندوں کی آرزو کا احترام کرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو۔

| | |
|---|---|
| اللہ پر ایمان رکھیں۔ | تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ |
| اور | وَ |
| اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں۔ | رَسُولِهِ |
| اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں | وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ |
| اپنے مال سے | بِأَمْوَالِكُمْ |
| اور | وَ |
| اپنی جانوں سے | أَنْفُسِكُمْ |

(الصف ۶۱: ۱۱)

## بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

افلاک پہ لولاک کی نصرت ہے ترا نام
آفاق میں اللہ کی رحمت ہے ترا نام
انسان کی معراج کا معیار تری ذات
اسلام کی تابندہ روایت ہے ترا نام
ہر خلوتِ شب خارِ دا ڈھونڈ رہی ہے
ہر صبح درخشندہ کی طلعت ہے ترا نام
گہوارہ اسرارِ حقیقت ہے ترا ذکر

سرچشمۂ انوارِ شریعت ہے ترا نام
ہر روح میں مضرابِ محبت ہے تری یاد
ہر قلب میں محرابِ عبادت ہے ترا نام
جس نام سے اسلام کا پیغام ہوا عام
تاریخ کی وہ زندہ حقیقت ہے ترا نام
دنیا ترا نقشِ کفِ پا چوم رہی ہے
دارین کی سب سے بڑی دولت ہے ترا نام
یارائے تکلم نہیں خاموش کھڑا ہوں
میرے لبِ گفتار کی عظمت ہے ترا نام

شبیر بخاری

میرے دیرینہ مخلص کرم فرما۔ اللہ کریم سلامت باکرامت رکھے
(نوائے وقت میں اداریہ۔ ۲۸ اگست ۱۹۸۶ء)



۲

# نظریۂ پاکستان

قائدِ اعظمؒ کے الفاظ میں نظریۂ پاکستان یہ ہے کہ "برِصغیر پاک و ہند میں مسلمان اقلیت نہیں ہیں وہ ایک قوم ہیں"

قائدِ اعظمؒ کا یہ نظریہ قرآنِ حکیم کے ارشاد کی تفسیر ہے۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے:۔

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ۔ — تم بہتر امت ہو۔
اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ — ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔
(آل عمران پ ۴ ۱۰۹)

لغت کی رُو سے اُمَّۃٌ وہ جماعت ہے جس میں کوئی امرِ مشترک پایا جائے۔ خواہ یہ اشتراک مذہبی وحدت کی بنا پر ہو یا جغرافیائی یا عصری وحدت کی بنا پر۔

(۱) امت مسلمہ کا تو اللہ ایک۔ (۲) قرآن ایک۔ (۳) دینِ اسلام ایک۔ (۴) ہادیٔ برحق ایک۔ (۵) قبلہ ایک۔ اتنے محکم اقدارِ مشترک دنیا کی کسی ایک قوم کو میسر نہیں۔

رہا ہندوستان وہ نہ ایک ملک ہے۔ نہ اس کے باشندے ایک قوم ہیں۔ ہندوستان ایک برِّاعظم سا ہے، اس میں کئی ایک قومیں آباد ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دو اہم قومیں ہیں۔

ہندو ذات پات کا پابند ہے، اپنے آپ کو مہاجن (بڑا آدمی) سمجھتا ہے، دوسروں کو نہ اپنے برابر سمجھتا ہے۔ نہ مساوات کے اصول پر اپنے ساتھ ملاتا ہے۔

پس مسلمان قوم کو اپنی۔ اپنے سچے دین۔ اپنی اسلامی طرزِ حیات، اپنی مایۂ ناز تہذیب اپنی ثقافت اور اپنے مستقبل کی حفاظت کے لئے علیحدہ وطن حاصل کرنے کی ضرورت کا شدید احساس ہوا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور کہ حریت اور آزادی اُسکا حق ہے

۱۹۲۵ء میں اس ضرورت کو ایک مفصل خاکہ کی صورت میں محمد عبدالقدیر بدایونی نے پیش کیا۔

۱۹۳۳ء میں چوہدری رحمت علی نے اس مجوزہ اسلامی ریاست کا نام پاکستان تجویز کیا۔
۱۹۳۰ء میں اسی تجویز کو حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم سے آگے بڑھایا۔

یہ شرف علامہ اقبالؒ کو حاصل ہے کہ انہوں نے مطالبۂ پاکستان کے خاکہ میں دلکش رنگ بھرا۔ اپنے ولولہ انگیز افکار سے امت مسلمہ کے سرد دلوں کو گرمایا۔ انہیں مطالبۂ پاکستان کو دل وجان سے اپنانے اور اس کے حصول کے لئے ہر قربانی دینے پر آمادہ کیا، انہوں نے امتِ مسلمہ کو جھنجھوڑا اور درس دیا ؎

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقعہ پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا گیا۔ آغا خان مسلم وفد کے قائد تھے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی وفد میں شامل تھے۔

پاکستان کا مطالبہ ایک طوفانی تحریک بن گیا۔ تمام رکاوٹیں کٹتی چلی گئیں ؎

تھمتا نہ تھا کسی کے سیل رواں ہمارا

آخر حکومتِ برطانیہ کو اس پُر زور تحریک کے سامنے جھکنا پڑا۔

۲۱/ مارچ ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن آخری والسرائے اور گورنر جنرل ہندوستان سے مل کر مطالبہ پاکستان کو منظور کروایا۔

۳/ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے برطانوی منصوبہ کا اعلان ہوا، اسی روز آل انڈیا ریڈیو سے قائدِ اعظمؒ نے تقریر کی اور "پاکستان زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا۔

۱۰/ اگست ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظم نے قیام پاکستان پر تقریر کی۔

۱۸/ اگست ۱۹۴۷ء کو بحیثیت گورنر جنرل پاکستان حلف اٹھایا۔

اپنی زندگی کا نصب العین حاصل کرنے کے بعد ۱۱/ ستمبر ۱۹۴۸ء کو رات کے دس بج کر ۲۵ منٹ پر اپنی جان جان آفرین کو سونپ دی۔

ماؤنٹ بیٹن نے سنا تو ہکا بکا رہ گیا۔

پکار اُٹھا کاش! مجھے اس بات کا علم ہوتا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح مہلک مرض میں مبتلا ہیں تقسیم ہند کے کیس کو تھوڑا سا طول دینا مشکل نہ تھا۔ ہندوستان متحد رہتا۔ تقسیم نہ ہونے پاتا۔

# ۱۔ بھارت

# ۲۔ پاکستان

عالمی جنگوں کے بعد ہندوستان نے ہر حال میں آزاد ہونا تھا۔ کائنات میں قدرت اُس قادرِ قدیر کی کارفرما ہے۔ تاہم دنیا عالمِ اسباب ہے۔ حالات کا جائزہ لینے سے دو حقیقتیں عین واضح ہیں!

۱۔ گاندھی جی۔ پنڈت نہرو۔ سردار پٹیل میں سے کوئی بھی نہ ہوتا۔ اور ان میں سے کوئی کچھ بھی نہ کرتا تو بھی بھارت نے آزاد ہونا تھا اور آزاد ہو کے رہتا۔

۲۔ البتہ جناح نہ ہوتے تو پاکستان کبھی نہ بنتا۔

پاکستان اللہ کریم کے فضل وکرم سے بنا ہے۔ انگریز نے اُسے بخوشی اپنی رضا سے نہیں بخشا۔ انگریز کو پاکستان بنانا پڑا۔ انگریز آخری دم تک پاکستان کی مخالفت سے باز نہیں آیا۔

تقسیم ملک کے بعد ہندو نے جس نے "انگریزو! ہندوستان سے چلے جاؤ" کی تحریک میں ایڑھی چوٹی کا زور لگایا عدم تعاون جیسی تحریکیں چلاکر۔

انگریز سے نفرت کا کوئی حربہ فروگذاشت نہ کیا۔ آخر ماؤنٹ بیٹن کے سامنے گھٹنے ٹیکے اور اسے ہندوستان کا آخری والسرائے قبول کیا۔

تقسیم ہند کے بعد بھی ہندو نے انگریز سے گٹھ جوڑ کر کے انگریز کو بھارت پر مسلط رکھا۔

انگریز نے ہندوؤں اور سکھوں کی اس شرمناک سازش اور گھناؤنے منصوبہ میں ان کا ساتھ دیا کہ :-

۱- ہندوستان کے نہتے مسلمانوں کو مار مار کر ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے ۔

۲- مسلمانوں کے مال و منال کو لوٹ لیا جائے ۔

۳- نوجوان مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے ۔

۴- مسلمان خواتین کو اغوا کر لیا جائے ۔

۵- بوڑھوں ، اپاہج اور معذور لوگوں پاکستان کی طرف دھکیل دیا جائے تاکہ ملک مفلوج ہو کر رہ جائے ۔

ان شرانگیز اور شرمناک مظالم کی دردناک داستان ہندوستان کی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے ۔

## تقسیم ہند

دوسرے یہ کہ یہ فتنہ پرداز قائد اعظم ، مسلم لیگ اور مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان کا دشمن قرار دیتے ہیں ۔ الزام یہ گھڑتے ہیں کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے رہتے تو کیا حرج تھا ۔ ان کے پھٹ جانے سے ہندوستان دو حصوں میں بٹ گیا ۔ دونوں حصے برسرپیکار رہتے ہیں ۔ جنگ جنگ کا بگل بجتا رہتا ہے ۔ جنگی تیاریوں پر بے پناہ خرچ ہو رہا ہے کاش کہ یہ سرمایہ قوم کی اصلاح پر صرف ہوتا ۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے مفروضے من گھڑت ہیں ۔ جان بوجھ کر تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی جا رہی ہے ۔ اگر پاکستان قائم نہ ہوتا تو مسلمان ذلیل و مظلوم ہوتا ۔ ہندو اس پر مسلط ہوتا ۔ مسلمان کی کہیں دال نہ گلتی ۔ وہ ہر جگہ اس طرح خوار ہوتا ہے ۔ جس طرح آج ہندوستان میں مظلوم مسلمان ہندو مظالم کا تختۂ مشق ہے ۔ ہمارا یہ مفروضہ وہم نہیں ۔ تاریخی حقائق پر مبنی ہے ۔



## پہلی عالمی جنگ

۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی ۔ سلطان ترکی انگریزوں کے خلاف جرمنی کا حلیف تھا ۔ مسٹر اسکوتھ نے دانش مندی سے کام لے کر ہندوستانیوں کی غلامی کو ذلت قرار دیا ۔ اور وعدہ کیا گیا کہ برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرے گا ۔ اور حق خود اختیاری کو تسلیم کرے گا بشرطیکہ ہندوستان جنگ کے آڑے وقت میں برطانیہ کی مدد کرے ۔ اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا ۔

ہندو انگریزوں کی وفاداری کے راگ الاپنے لگے ۔ گاندھی جی پیش پیش تھے ۔ برطانوی سامراج کی وفاداری کے صلہ میں انہیں قیصر ہند کے میڈل سے نوازا گیا ۔

مسلمان عجیب مخمصے میں تھے ۔ انگریز کی حمایت کریں تو ترک بھائی ناراض ۔ ترکوں کی مدد کریں تو انگریز ناراض ۔ جوشیلے مسلمان خفیہ کارروائیوں پر اتر آئے ۔

۵ فروری ۱۹۱۵ء کو لاہور کے کالجوں سے پندرہ طالب علم خفیہ طور پر افغانستان چلے گئے ۔ پشاور اور کوہاٹ کے طالب علم ان سے جا ملے مولانا عبید اللہ سندھی بھی جا ملے ۔

اکتوبر ۱۹۱۵ء میں راجہ مہندر پرتاپ ایران کے راستے کابل پہنچ گئے ۔ مقصد یہ تھا کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی جائے گی ۔

اسی سلسلہ میں محمود الحسن دیوبندی اور محمد میاں انصاری کی قیادت میں کچھ لوگ حجاز جا پہنچے تاکہ ترکوں کی مدد کریں ۔

انہوں نے جہاد کا فتویٰ بھی حاصل کیا ۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے کابل سے ایک خفیہ خط ریشمی رومال پر لکھ کر مولانا محمود الحسن کو بھیجا ۔ تاکہ انہیں حالات سے آگاہ کریں ۔ یہ رومال جناب شیخ عبدالحق نے لیجانا اور پہنچانا تھا ۔ مگر راستہ راستے میں ہی گورنمنٹ کے ہاتھ لگ گیا ۔ اسے ریشمی رومال والی سازش کہا جاتا ہے ۔

# کانگرس وزارتیں

کانگرس وزارتیں جولائی ۱۹۳۷ء سے نومبر ۱۹۳۹ء تک برسرِ اقتدار رہیں۔

اپنے زمانۂ اقتدار میں انہوں نے اپنی طاقت مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرنے میں استعمال کی۔ کانگرسی صوبوں میں قانون ساز اسمبلیوں کا آغاز بندے ماترم گاکر کیا جاتا۔ بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا گیا۔

پیرپور رپورٹ سے واضح ہے کہ سینٹرل پرووِنسز میں چاندپور لوکل بورڈ نے پنڈتوں (اساتذہ) کو حکم دیا کہ مہاتما گاندھی جی کا جنم دن اس طرح منایا جائے کہ مہاتما جی کی مورتی کی پوجا کی جائے۔ سکولوں کی نصابی کتابوں میں ہندو مت کے راگ الاپے گئے۔ مولانا فضل الحق نے دسمبر ۱۹۳۹ء میں بیان شائع کیا کہ کانگرسی پالیسی یہ تھی کہ اسلام کو ہر لحاظ سے ذلیل و سرنگوں کیا جائے کیونکہ ہندوستان ہندوؤں کا وطن ہے اذانیں بند کی گئیں۔ نمازیوں پر حملے کیے گئے نماز کے اوقات میں مسجدوں کے سامنے شور و غوغہ کرنے والے جلوس نکالے گئے۔ مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور عدالتوں کو ان کے خلاف فیصلے دینے کا حکم دیا گیا۔

صوبہ برار کے چھوٹے سے گاؤں چاندپور پسرا میں ۱۵۰ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں پر قتل کا مقدمہ بنایا گیا۔ اور سارے علاقہ کے مسلمانوں کو جرمانہ کیا گیا۔ ہائی کورٹ نے اعتراف کیا کہ مقدمہ کو ایک تہوار کی صورت دی گئی اور خوشیاں منائی گئیں کہ مسلمانوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے خون کی ہولی اسلئے کھیلی گئی کہ مسلمان ہیں۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔

وائسرائے نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

کانگرس نے انگریزوں کی امداد کرنے سے انکار کر دیا۔

اور دفتروں سے باہر نکل آنے کا فیصلہ کیا۔

کانگرس راج دو سال سے کچھ زائد مدت کے بعد ختم ہو گیا۔

مسلمانوں نے ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات منایا۔ دو سال قبل سے قائد اعظم مسلمانوں کے بے مثال قائد تھے۔ یوم نجات نے کانگرس کے وقار کی کمر توڑ دی۔



مسلمان برِصغیر پاک و ہند میں فاتح اور ناصح کی حیثیت سے بڑی امیدیں لے کر آیا۔ ہندو نے اُسے نہ اچھا ہمسایہ جان کر قبول کیا۔ نہ اسے خوش آمدید کہا اُس نے اسے شودر قرار دے کر اس کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ اب ہندوستان میں مسلمان خدا پرست ہے۔ آزاد منش ہے۔

مسلمان ایمان اور عمل کے لحاظ سے جداگانہ قومیت رکھتے ہیں۔ مگر ہندو اکثریت اُسے اپنے اندر ضم کرنا چاہتی تھی۔ مساوی حیثیت دے کر نہیں۔ غلام بنا کر۔

ایسا کرنے کی ٹھوس کوشش پہلے سولھویں صدی عیسوی میں مغل بادشاہ اکبر نے کی۔ دوسری کوشش آل انڈیا کانگرس نے انیسویں صدی عیسوی میں کی۔

پہلی کوشش کو عظیم مجاہد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اور آپ کے رفقائے کار نے ناکام بنایا۔ آپ نے دین الٰہی کے شیش محل کو گرایا۔ اورنگ زیب عالمگیر دو قومی نظریہ کا داعی اور عملی تفسیر بن کر سامنے آئے۔

دوسری کوشش کو مجددِ ملت مولانا احمد رضا خان بریلوی اور ان کے رفیق کار علماء و مشائخ نے خاک میں ملایا۔ آپ نے ہندو مسلم اتحاد کے خیالی پلاؤ کو ختم کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح حقیقت پسندی کا عملی پیکر بن کر میدان عمل میں آئے۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں ہندو عزائم ہندو لیڈروں کے مندرجہ ذیل بیانات سے واضح ہیں

۱۔ مسٹر گاندھی نے ۱۹۱۸ء میں کہا۔

"مگر ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول و عرض میں نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤکشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔ ہندو مت۔ عیسائی۔ یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤکشی بند کر دیں۔"

۲۔ راشٹریہ سیوک سنگھ کے کیمپ کا اختتام کرتے ہوئے مسٹر کیشور آپٹے نے کہا۔

ہندوستان صرف ہندوؤں کی سرزمین ہے۔ یہاں رہنے والے مسلمان اور عیسائی صرف مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس وقت تک یہاں رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، جب تک مہمان بن کر رہیں۔

ہندوستان کے اصل باشندے صرف ہندو ہیں۔ مسلمان ہندوستان کے شہری نہیں ہو سکتے

کیونکہ یہ عرب سے آئے ہیں۔ اور آج بھی اسی مذہب اور عقیدے پر قائم ہیں"

مسلمانوں کو اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندوستانی تہذیب و تمدن کو اپنانا ہوگا۔

ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ اور ہندی ہندوؤں کی زبان ہے۔

۳۔ جن سنگھ کے لیڈر کھارے نے دسمبر ۴۸ ۱۹ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

پاکستان کو ختم کر کے اسے دوبارہ بھارت دیش بنایا جائے۔

۴۔ لالہ ہردیال ایم۔ اے:۔

"ہندو کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو ہر جائز و ناجائز کوشش سے ہندو بنا کر ہندو کے کسی نہ کسی فرقے میں داخل کر لو۔ اس طرح سے سوراجیہ حاصل کر لو اور بھارت دیش کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شدھ کر لو"

مسٹر کشور آپٹے:۔

مسلمانوں کو اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو انہیں ہندو بن کر رہنا ہے اور ہندو تہذیب و تمدن کو اپنانا ہوگا۔

جن سنگھ لیڈر:۔

اردو ایک غیر ملکی زبان ہے۔ یہ ہماری غلامی کی مظہر ہے۔ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیئے اردو (نجس اور گندے) لوگوں کی زبان ہے۔ جس نے ہمارے قومی مقاصد کو سخت نقصان پہنچایا ہے، مگر یہ ہندوستان میں مقبول ہوتی جا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہندو اکثریت مسلمان قوم کو ہی نہیں —— اسلام اور مسلمانوں کے ہر نقش کو مٹا دینے پر تلی ہوئی تھی۔

ان حالات میں مسلمان کیا کرتا؟

کیا تر نوالہ بن جاتا اور ہندو سے کہتا کہ آؤ بھائی حاضر ہوں بسم اللہ آؤ مجھے نگل جاؤ۔

مسلمان ایمان و عمل کے اعتبار سے جداگانہ معزز قومیت رکھتا تھا۔ اس کا ماضی بڑا تابناک تھا۔

اُسے اپنے طرزِ حیات پر اعتماد اور ناز تھا۔ اور اپنے مستقبل پر ایمان۔

اُسے حکم تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اُنہیں اُلٹے پاؤں (یعنی کفر کی طرف) لے جانا چاہیں تو مسلمانو!

اپنے رب کا نام یاد کرو۔
اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ
وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝
(المزمل ۷۳: ۸)

وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے
اس کے سوا کوئی معبود نہیں
اس کو اپنا کارساز بناؤ

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
وَكِيلًا ۝ (المزمل ۷۳: ۹)

امتِ مسلمہ خَيْرَ أُمَّةٍ ہے۔ سب امتوں سے بہتر ہونے کی حیثیت سے اس کا منصب یہ ہے:۔

بھلائی کا حکم دیں
برائی سے منع کریں۔

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(آل عمران ۳: ۱۰۹)

وہ اپنے اِس مشن سے غافل نہیں رہ سکی۔

اس کے ہادئ برحق کے وسیلہ سے اُسے حکم ہے کہ:۔

اے بالاپوش اوڑھنے والے
کھڑے ہو جایئے
(اپنی خواب گاہ سے)
اور ڈر سنایئے
(قوم کو عذابِ الٰہی کا۔ ایمان نہ لانے پر)
اور اپنے رب کی بڑائی بولیئے۔
اور اپنے کپڑے پاک رکھیئے۔
(ہر قسم کی نجاست سے)
اور بتوں سے دور رہیئے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝
قُمْ
فَأَنْذِرْ
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر ۷۴: ۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳

# تحریکِ پاکستان کے عوامل

## حریت اور آزادی مسلمان کا حق ہے

تحریکِ پاکستان کے عوامل میں سب سے موثر عامل ہندو کی پست ذہنیت اور ان کا ذات پات پر مبنی دقیانوسی سماج ہے ہندو اپنے آپ کو مہاجن (بڑا آدمی) سمجھتا تھا۔ مسلمان کو (ملیچھ) ناپاک اور پلید)

اس ناقابلِ قبول نظریہ سے انسانی روح کو جو سخت صدمہ لاحق تھا وہی پاکستان کی تحریک محرک بنا۔

ہندوستان کے قدیم باشندے بھیل۔ کول ۔ دراوڑ وغیرہ تھے۔

کوئی اڑھائی ہزار سال گزرے کہ آریہ ہندو کوہ سلیمان کے دروں کے راستے اس برصغیر میں داخل ہوئے وہ پہلے ان علاقوں میں آبسے جو آج کل پاکستان میں شامل ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہندوستان کے سارے شمالی حصے میں پھیل گئے گنگا جمنا دواب کے زرخیز ترین میدان کے مالک بن بیٹھے۔

آریہ ہندووں نے اس ملک کے قدیم باشندوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ان سے ان کی زرعی زمینیں چھین لیں ۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دی ۔ انہیں تہِ تیغ کر ڈالا ۔ لاچار مظلوم قدیم باشندے بھاگ نکلے ۔ اب تک کہیں کہیں جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں ملتے ہیں ۔ آریہ ہندووں نے پچھے قدیم باشندوں کو شودر اور ملیچھ (ناپاک اور پلید) قرار دیا ۔ ان کے ہاتھ کا کھانا پینا بند کر دیا ۔ ان کے چھوئے ہوئے کو مذہبی طور پر حرام سمجھا ۔ ان پر تعلیم و تربیت کے تمام دروازے بند کر دیتے ۔ انہیں شہروں میں آنے سے روک دیا ۔ ان کے سایہ تک سے بچنا مذہبی فریضہ ٹھہرایا ان مظلوموں کو شہروں کے باہر اپنی بستیاں الگ بنانی پڑیں شہر میں آنے تو گھڑیال باندھ کر آتے تاکہ کسی آریہ ہندو پر ان کا سایہ نہ پڑ جائے۔



زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ آریہ ہندوؤں کے اپنے اندر طرح طرح کی خرابیاں جڑ پکڑ گئیں۔

۱ وہ ذات پات کے بندھنوں میں پھنس گئے ۔ برہمن اعلیٰ بن بیٹھے فوجی خاندان کشتری کہلانے لگے ۔ کاروباری لوگ ویشی کہلانے پر فخر کرنے لگے ۔ یہ چاروں طبقے اپنے آپ کو مہاجن اعلیٰ ذات پات کے ہندو) سمجھنے لگے ۔ باقی ساری آبادی کو شودر (گھٹیا ذات) قرار دیا ۔ اس تفریق نے ہندو جاتی کی ایکتا (وحدت) کو ختم کر دیا۔

۲ آریہ سوسائٹی نے عورت کو کوئی مقام نہ دیا ۔ وہ صرف مرد کے پاؤں دھونے کے لیے تھی ۔ اس کے لیے لازم تھا کہ اپنے آپ کو شوہر کی طبیعت کے مطابق ڈھالے ۔

اگر شوہر سے علیحدہ ہو تو اپنی صورت کسی کو نہ دکھائے ۔

جس عورت کا خاوند مر جاتا تو اسے شوہر کی چتا میں ہی زندہ جلا دیا جاتا ۔ ستی کی یہ رسم انگریزوں کے عہد تک جاری تھی ۔ ولیم بنٹنگ کے عہد ہی اسے جرم قرار دیا ۔ گیا ۔ گویا عورت کی حیثیت آلۂ تفریح کی تھی ۔

بدترین یہ کہ ایک عورت کئی بھائیوں کی بیوی بن سکتی تھی ۔

۳ آریہ ہندووں کو اللہ کریم کی صفاتِ حسنہ کا کوئی تصوّر نہ تھا ۔ اپنے ہاتھوں سے بت گھڑتے اور اپنی اپنی ذہنی اغراض کا مظہر سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ۔

کالی دیوی کی جے پکار کر مسافروں کا گلا گھونٹ دیتے اور سمجھتے کہ اس سے کالی دیوی خوش ہوتی ہے ۔

لاہور میں کالی دیوی کا مندر بت مشہور تھا ۔ عمارت آج تک موجود ہے ۔

۴ بت پرستی سے شخصیت پرستی جنم لیتی ہے ۔ آریہ ہندو رام کرشن وغیرہ راجاؤں کو ایشور (خدا) کا روپ گردانتے اور ان کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے ۔

۵ چاند ۔ سورج تو بڑے بڑے مظاہرِ قدرت ہیں ؛ آریہ ہندو آگ ۔ پانی ۔ ہاتھی پیپل کے درخت تک کو سجدہ کرتے ۔ سومنات کا سب سے بڑا تیرتھ تھا ۔ وہاں مہا دیو کے لنگ (آلۂ تناسل) کی پوجا ہوتی تھی ۔ اور تو اور ہندو چیچک جیسی مرض کو بھی دیوی سمجھ کر اسے پوجتے ۔ سانپ کو ناگ ۔ ہاتھی کو گنیش اور بندر کو ہنومان دیوتا جان کر ان کی پوجا کرتے ۔

۶ ۔ خالقِ کائنات نے انسان کو تسخیرِ کائنات کے لیے بنایا ہے ۔ اور باقی سب چیزوں کو اس کی خدمت میں لگا رکھا ہے ۔ مگر آریہ ہندو انسان کو ذلیل مخلوق سمجھتے اور باقی

ہر شئے کو ماتھا ٹیکتے۔ گائے (چوپایہ) گنگا (دریا) سانپ (زہریلا جانور) پیپل (سایہ دار درخت) کے سامنے ہاتھ باندھتے اور سر جھکاتے۔

۷۔ اوہام جہالت۔ بت پرستی اور شخصیت پرستی نے ہندوؤں کو اوہام جہالت کا عادی بنا دیا تھا۔ وہ ہندو مت کو کچا دھاگہ سمجھنے لگے۔ بچہ پیدا ہوتا تو گئو موت پلاتے اور اس کے منہ پر گئو موت چھڑکتے کہ آنکھیں کھولے۔

۲۔ کوئی عورت چلّہ میں مر جاتی تو اُسے بھوت کہتے۔

میرے والد صاحب کی خدمت میں ایسے ہندوؤں کا تانتا بندھا رہتا۔ کہ قاضی صاحب خدارا کچھ چارہ کیجیے وہ تو رات کو آتی ہے۔ کواڑ آ کھٹکھٹاتی ہے۔

والد صاحب تسلی دیتے اور دل کڑا کرنے کی ہدایت کرتے۔ ہندو کہتے حضور آپ سادہ لوح ہیں۔ بھلا بھوت اور ہمارا بھی کوئی مقابلہ ہے؟

سارے محلے نے رات جاگ کر گزاری۔ خدا کے لیے تعویذ دیجئے قبلہ کریں کیا وہ تو دھائیں مارتی ہوئی آتی ہے۔ گھر تو کیا۔ سارا محلہ اٹھ بیٹھتا ہے۔ جناب ہمارا دین کچا ہے۔ تعویز دھاگہ عنایت کریں۔

۳۔ صبح دودھ دُہنے سے پہلے تھوڑی سی دہی گگے پیر کی نذر کرتے جسے سانپوں کا بادشاہ خیال کرتے۔

ان خرابیوں کی وجہ سے آریہ تہذیب و تمدن میں عوام کے لیے کوئی کشش نہ رہی وہ دل ہی دل میں اس سے تنگ آ گئے۔ کسی بہتر طرزِ حیات کے متلاشی رہنے لگے۔

اپریل ۵۷۱ء فخرِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ہے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا چرچا ہوا۔

برصغیر پاک و ہند کے باشندے قولِ حق کے اخذ و قبولیت کی اہلیت میں پیش پیش رہے ہیں۔ دوسری طرف صحابہ کرام آنحضور کی تعلیمات کو پھیلانے میں مستعد تھے۔ چنانچہ! جونہی کسی ذریعے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا سیلون سے ایک وفد آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت اور اسلامی تعلیمات سے باخبر ہونے کے لیے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔



۱۵ ہجری میں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت حکم بن العاص سمندروں کی لہروں پر سوار ہوئے اور سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے ساحل ہند پر آ اترے۔

بھارت اور سیلون سے مکہ کی طرف جانے والے حق کے متلاشی تھے۔ اور عرب سے ہند کی طرف آنے والے حق کے مبلغ تھے۔

یہ رابطہ عرب اور ہند کے صالح لوگوں کے مابین حق کی تلاش اور حق کی تبلیغ کے لیے تھا مگر سندھ کے راجا داہر کو لوگوں کا اسطرح سے آنا جانا ناگوار گزرا۔ اس کے بحری لیٹروں نے ان لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ مال و منال لوٹ لیتے۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیتے۔

اس وقت بصرے کا حاکم حجاج بن یوسف تھا۔ اس نے راجا داہر کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا اور لکھا کہ مہربانی کر کے اپنے لیٹروں سے کہئے کہ مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیں نیز آئیے ہم مل کر امن و امان کا ماحول پیدا کریں۔ تاکہ امن پسند لوگ آسانی سے سفر کر سکیں۔

داہر نے غرور اور تکبر سے اس پیغام کو ٹھکرا دیا اور جواب دیا کہ میری کیا ذمہ داری ہے؟ آپ کون ہیں جو مجھے نصیحت کرتے ہیں!

ظاہر ہے کہ لیٹروں کی سرکوبی کے بغیر امن پسند لوگوں کا سفر کرنا محال تھا۔ حجاج کو کارروائی کرنی پڑی۔ اس نے ایک نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم کو ہند پر حملہ کا حکم دیا۔

محمد بن قاسم نے راجہ کو شکست دی یہ واقعہ ۷۱۱ء کا ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ کے ہندوؤں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اس نے شہر سے باہر ایک کھلی جگہ میں برہمن آباد کے بڑے بڑے برہمنوں اور معززین کو بلایا۔ سب کے سامنے اعلان کیا۔

"اپنی عبادت گاہیں بناؤ اور انہیں آباد کرو۔ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرو خرید و فروخت میں مسلمانوں سے معاملہ رکھو۔ نیک بنو۔ محتاجوں کی مالی امداد کرو اپنے مذہبی اور سیاسی راہ نماؤں کی ہدایات کو غور سے سنا کرو اور ان پر عمل کیا کرو!

"جاؤ تمہیں امان ہے"

اس گفتگو کے بعد محمد بن قاسم اور سندھ کے ہندوؤں کے مابین مصالحت ہو گئی اور امن و امان کا معاہدہ طے پا گیا۔

محمد بن قاسم کو واپس لوٹنا پڑا۔ تاہم اس کے ساتھ آئے ہوئے مسلمان سندھ میں مستقل طور پر آباد ہوگئے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں کو اسلامی تعلیمات کا علم ہوا۔ اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے۔ کہ

## حاکمیت اعلیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع۔ نہایت مہربان۔ رحم والا

| | |
|---|---|
| اللہ ہے۔ | اَللّٰہُ |
| کوئی عبادت کے لائق نہیں | لَآ اِلٰہَ |
| سوائے اس کے۔ | اِلَّا ھُوَ |
| خود زندہ | اَلْحَیُّ |
| اوروں کو قائم رکھنے والا ہے | الْقَیُّوْمُ |
| اسے نہ اونگھ آئے | لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ |
| اور نہ نیند | وَّلَا نَوْمٌ |

(اونگھ اور نیند نقص ہیں۔ اللہ ہر نقص سے پاک ہے۔)

| | |
|---|---|
| اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ | لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ |
| اور جو کچھ زمین میں ہے | وَمَا فِی الْاَرْضِ |

(البقرۃ ۲: ۲۵۵)

یہ تقریر توحید ہے۔

## اسلامی معاشرہ

### مساوات

توحید کے بعد اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ مساوات ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

| | |
|---|---|
| اے لوگو! | یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ |
| ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ | اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ |
| ایک مرد اور ایک عورت سے۔ | مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی |

(آدم اور حوا کی اولاد ہونے کے لحاظ سے تم سب برابر ہو)

| | |
|---|---|
| اور تمہیں کیا۔ | وَجَعَلْنٰکُمْ |
| شاخیں اور قبیلے | شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ |
| کہ آپس میں پہچان رکھو | لِتَعَارَفُوْا |
| بے شک | اِنَّ |
| زیادہ عزت والا۔ | اَکْرَمَکُمْ |
| اللہ کے ہاں | عِنْدَ اللّٰہِ |
| تم میں سے وہ ہے۔ | |
| جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ | اَتْقٰکُمْ |

(الحجرات ۴۹: ۱۳)

(مدارِ فضیلت پرہیزگاری ہے۔ نہ کہ نسب
کوئی خاندان اعلیٰ نہیں۔ کوئی ادنےٰ نہیں۔ کوئی برہمن نہیں۔ کوئی شودر نہیں۔ عزت والا وہ ہے جو نیک ہے۔ دوسروں کے کام آتا ہے)

## مزید حدیث پاک میں ہے۔

| | |
|---|---|
| تمام خلقت اللہ کریم کا عیال ہے۔ | اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ |
| اللہ کو زیادہ پیارا وہ ہے۔ | فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ |
| اور اس کے عیال کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک کرتا۔ | مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی اَھْلِہٖ |

اس حدیث پاک نے اونچ نیچ کی تفریق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ قوم کے ہر فرد کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیں۔

مسلمانوں نے ( ۵۹۵ ء) ہجری سے برصغیر پاک و ہند کا رُخ کیا قرآن حکیم کی رُو سے
اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ تمام بنی نوع انسان کا خالق
ایک اللہ ہے۔

۱۔ دنیا بھر کے انسان ایک اللہ کے بندے ہونے کی حیثیت سے مساوی ہیں۔ ایک جیسے
ہیں۔ کوئی اعلیٰ نہیں۔ کوئی ادنیٰ نہیں۔ کوئی بڑا نہیں۔ کوئی چھوٹا نہیں۔ سب کی رگوں میں
ایک جیسا خون رواں دواں ہے۔ عزت اسکی زیادہ ہے جو اچھا اور نیک ہے۔

۲۔ جس اللہ نے ہمیں بنایا ہے۔ اسی نے ہی دنیا میں رہنے سہنے کے اصول بھی بتائے
اور سکھائے ہیں۔

تمام انسان اللہ کے دیئے ہوئے قانون کے تابع ہیں۔
کوئی شخص اللہ کے قانون سے بالا نہیں۔
یہ اسلامی عدل ہے۔ فطرت کا یہی تقاضا ہے۔

۳۔ زمین۔ آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے۔ اللہ کریم کا ہے۔ اللہ نے اپنی نعمتیں
بانٹ رکھی ہیں۔

ہر بندے کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔
بندے کے پاس بطور امانت ہے۔ ہر نعمت کے لیے بندہ اللہ کے حضور جواب دہ ہے
یہ حاکمیت اعلیٰ کا تصور ہے۔

حاکمیت اعلیٰ۔ مساوات۔ عدل کے تصورات اسلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔
ہندو ان تصورات سے نا آشنا ہیں۔
ہندو کا عقیدہ ان تمام تفاصیل میں ان کے برعکس ہے۔ ان کے ہاں ایک اللہ کی بجائے۔
سینکڑوں بت ہیں۔ ذات پات ہے۔
برہمن اعلیٰ ہے۔ شودر ادنیٰ ہے۔ اونچ نیچ ہے۔ وہ اسلامی عدل کے نظریہ کے
قائل نہیں مہاجن (اعلیٰ ہندو) با اختیار ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر معزز ہیں۔ کائنات کے تمام
انعام صرف انہیں کے لیے ہیں۔ شودر غلام ہیں۔ ہر نعمت سے محروم ہیں۔ شہر میں آ بھی نہیں
نہیں سکتے۔ وید کا لفظ تک نہیں سن سکتے۔ علم حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کا حصہ ذلت اور جہالت



ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمان باہم مل جل کر ایک دوسرے سے صلاح مشورہ کرکے
کام کرتے ہیں۔ اولادِ آدم ہونے کی حیثیت سے مرد اور عورت برابر ہیں۔ عورت ذلیل نہیں
معزز ہے۔

سب انسان ایک اللہ کے بندے ہیں اور سب بھائی بھائی ہیں۔ کوئی اعلیٰ نہیں۔ کوئی ادنیٰ
نہیں۔ یہ راہ وہ ہے جو نیک ہے۔ آزادی سے رہنے اور محنت مشقت سے ترقی کرنے کے
مواقع سب کو میسّر ہیں۔

عام لوگ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے بت پرستی اور
شخصیت پرستی انسانی فطرت کے سراسر خلاف تھی۔ وہ ذلت آمیز پوجا پاٹھ سے اُکتا
چکے تھے۔

اسلام کو انہوں نے عزت اور حریت کا روح افزا پیغام سمجھا اور اپنی رضا و
رغبت سے مسلمان ہونے لگے۔

اس برصغیر میں ہندو کی اجارہ داری ختم ہوگئی ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں معرضِ
وجود میں آگئیں۔

مسلمان ایک اللہ کی عبادت کرتے۔ ہندو ہزاروں بتوں کو پوجتے۔ ہندو مت دھرم
تھا۔ اسلام دین۔ مسلمان ملتے تو السلام وعلیکم کہتے مسلمان یوم حساب کو مانتے اور جائز
ناجائز میں امتیاز کرتے۔ ہندو یوم آخرت کے قائل نہ تھے۔
ان کے سامنے صرف دنیا ہے۔ دنیا کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔

مسلمان رواداری کے عادی تھے انہوں نے ہزار سال اس برصغیر پر حکومت کی ہندوؤں
کو اپنے جیسا سمجھا۔ ان کی عزت کی۔ مسلمان کا دار الخلافہ دہلی نیز آگرہ اور اودھ میں
میں ہمیشہ ہندوؤں کی اکثریت رہی اور وہ عزت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

اس کے برعکس ہندوؤں نے فراخ دلی اور رواداری سے کام نہ لیا۔ انہوں نے مسلمانوں
کو اسی حربے سے ذبح کرنا چاہا جس حربہ سے یہاں کے قدیم باشندوں کو تہس نہس کیا تھا۔ انہوں
نے آزماتے ہوئے حربہ کے مطابق مسلمانوں کا مکمل شوشل بائیکاٹ کیا۔ انہیں اچھوت ناپاک
اور پلید قرار دے کر ان سے ملنا جلنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیا۔

پاکستان کا مطالبہ تو اسی دن شروع ہو گیا جس دن پہلے مسلمان نے اس برِ صغیر پر قدم رکھا۔ ہندوؤں کا اپنا معاشرہ ہے۔ مسلمان کا اسلامی معاشرہ ہندو معاشرے سے علیحدہ ہے۔ مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں۔ ہندو اکثریت ہیں۔ مسلمان اپنے آپ کو اور اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے علیحدہ خطہِ ارضی کا طالب رہا۔ ہندو اسکی اس آرزو کی مخالفت کرتا رہا۔ ہندو مسلم اختلاف جاری رہا اور جاری ہے۔

پس جونہی مسلمانوں نے سرزمینِ ہند میں قدم رکھا۔ یہاں دو معاشرے معرضِ وجود میں آ گئے۔

۱- قدیم ہندو معاشرہ جس کی بنیاد تین خاص باتوں پر ہے۔

۱- بت پوجا

۲- ذات پات

۳- اپنی مطلب برآری کیلئے سب کچھ کر گزرنا۔

۲- مسلمان معاشرہ جسکی خصوصیات تین ہیں۔

۱- ایک اللہ کی عبادت

۲- مساوات۔ وحدتِ نسلِ انسانی

۳- اللہ کی اعلےٰ حاکمیت کو تسلیم کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد بجالانا۔

پس مسلمان ہندوستان میں اقلیت نہیں۔ ایک معزز قوم ہیں۔ وہ اپنی مخصوص اسلامی طرزِ حیات پر قائم ہیں۔ انہیں اپنے ماضی پر فخر ہے۔ روشن مستقبل پر ایمان ہے۔ حریت اور آزادی انکا حق ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا بہ ہنوز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مناسب ہے کہ حق و باطل کی اس آویزش کو مختلف ادوار کے تحت بیان کیا جائے تاکہ قارئین آسانی سے سمجھ سکیں۔



# اِسلامی عہد

سلطان محمود غزنوی ۹۹۸ء میں لاہور تک آیا۔ اس کے دو سو سال بعد شہاب الدین محمد غوری نے دہلی میں اپنا جانشین چھوڑا۔ غوری کے دورِ حکومت سے ۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ گویا ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔

اسلامی حکومتیں ہندو حکومتوں کی نسبت زیادہ مقبول تھیں برہمنوں کی اجارہ داری کی بجائے مشاورت کا دور دورہ رہا بادشاہ امرا اور وزراء سے مشورہ کرتے۔ نظام حکومت میں عدل و انصاف سے کام لیا جاتا۔ انصاف کے معاملہ میں امیر اور عوام برابر تھے۔ رعایا کے ہر طبقہ کے ساتھ ایک جیسا سلوک روا رکھا جاتا۔ سلطان یا بادشاہ کے رشتہ دار بھی جرم کی سزا سے نہ بچ سکتے تھے۔ محمد تغلق کو بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑا۔ التمش اور جہانگیر نے اپنے محلوں کے باہر عدل کی زنجیریں لٹکوا رکھی تھیں۔ ہر فریادی بادشاہ تک پہنچ سکتا تھا۔ مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہوتا۔ ہندوؤں کے مقدموں کا فیصلہ ان کے مذہبی قانون کے مطابق ہوتا۔ رعایا کی فلاح اور ترقی کا بہت خیال رکھا جاتا۔ ضروریاتِ زندگی سستی تھیں۔ مسافروں کیلیے سرائیں اور پل بنائے گئے زرعی ترقی کے لیے نہریں کھدوائی گئیں تعلیم و تربیت کے لیے مدرسے قائم کئے گئے۔ علماء طلباء اور شہریوں کے لیے باغات اور سیرگاہیں بنوائی گئیں۔ اور رہائش گاہیں تعمیر کی گئیں۔

حکومت اور رعایا کے مابین اعتماد قائم تھا۔ ذات پات اور اونچ نیچ کی تفریق ختم ہوئی غلام اور آقا میں امتیاز نہ رہا۔ مسلمان اور ہندو باہم شیر و شکر تھے۔ ان کے باہمی ملاپ نے اردو کو جنم دیا۔ جو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ زبان تھی۔ اور ہندو مسلم یگانگت کی علامت تھی

برہمو سماج اور سکھ مت کی تحریکیں ہندو مسلم اتحاد کی علامت تھیں۔ بھگت کبیر اور شاہ عبداللطیف بھٹائی جیسے بزرگوں نے ہندو مسلم اتحاد کا درس دیا۔ امرتسر کے پوتر تالاب اور اکال تخت کی بنیاد حضرت میاں میر کے ہاتھ سے رکھوائی گئی۔

مسلمان فتوحات اور تعمیرات میں لگے رہے۔ انہیں ملکی اور انتظامی معاملات سے فرصت نہ تھی۔ امن و امان کی فضا برقرار رکھنے میں لگے رہے۔ ہندوؤں نے بیوپار اور کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ مہاجن اور امیر بن گئے۔ مسلمان ان کے ہاتھ سے کھانے اور پینے رہے۔ ہندوؤں کیلئے ترقی کے سب دروازے کھلے تھے۔

محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں اس برصغیر میں اسلامی حکومت کی بنا رکھی مگر اسے جلد واپس لوٹنا پڑا۔ اس کے کئی اور ساتھی مستقل طور پر سندھ میں آباد ہو گئے۔

محمد بن قاسم کے بعد اڑھائی تین سو سال تک راجپوت حکمران رہے۔ دسویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں شمالی فوجی درّوں سے پرے ایک نیک دل قبائلی سردار سبکتگین اپنے علاقے کے سرداروں کو منظم کر کے رفاہ عامہ کے کام کرنے اور امن و امان بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہندوستان کے ہندو راجاؤں کو اس کی سرگرمیاں ناگوار گزریں۔ انہوں نے سبکتگین کے علاقے میں ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اور غزنی تک لوٹ مار کر بازار گرم کر دیا۔ آخر سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود نے ۹۹۸ء میں ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھا محمود غزنوی خود تو یہاں نہ ٹھہرا لاہور میں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ اس سے ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت کی ابتداء ہوئی۔

سلطان محمود کے بعد ہندوستان کے ہندو راجاؤں نے پھر قبائلی علاقہ میں چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ آخر شہاب الدین غوری نے راجپوت راجاؤں کو شکست دی۔ یہ واقعہ محمود غزنوی کی آمد سے کوئی دو سو سال بعد کا ہے غوری نے دہلی تک پیش قدمی کی غوری کے بعد ۱۸۵۷ء تک کسی نہ کسی صورت میں اس برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی حالات تبدیل ہوتے رہے۔ اور قطب الدین ایبک ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت کا بانی تھا۔ وہ خاندانِ غلامان کا مورثِ اعلیٰ تھا۔

خاندان غلامان کے بعد خلجی آئے۔ پھر تغلق۔ پھر سادات۔ پھر لودھی۔ پھر سوری۔ آخر میں مغل آئے۔



۱۔ مغل شاہزادے جفاکشی اور شوقِ جہاد کے جوہر کھو بیٹھے۔ ہندوستان کی گرم مرطوب آب و ہوا میں اور محلاتی ماحول میں کاہل، نااہل اور آرام طلب ہو گئے۔

۲۔ اسلامی معاشرہ زوال پذیر ہو کر رہ گیا۔ مردانگی اور علو ہمتی کے جوہر کھو بیٹھا۔ اور مجاہدین اگر تھے بھی تو انہیں سلطنت کے استحکام میں کوئی دلچسپی نہ رہی۔ اسلئے کہ مملکت پر اسلامی رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔ مجاہدین کی بے قدری کی جاتی تھی۔ ہندوؤں کی حوصلہ افزائی۔

۳۔ ہندو ذمہ داری کے بڑے بڑے عہدوں پر براجمان تھے مگر دل سے اسلامی حکومت کے خیر خواہ نہ تھے۔ وہ ہزار سالہ محکومی کا انتقام لینے کے درپے تھے۔ جنوبی ہند کے مرہٹے پنجاب کے سکھ۔ اور نیپال بھوٹان وغیرہ کے ڈوگرے اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ اِسلامی سلطنت گویا ایک لاش تھی جس کا کوئی وارث نہ تھا۔

۴۔ ایسے زمانہ میں یورپین اقوام آ دھمکیں اور مغلیہ سلطنت کی لاش نوچنے لگیں۔ وہ بھوکی تھیں۔ ان کی حرص کی حد نہ تھی۔

۵۔ یورپین اقوام کی خصوصیت ان کی بحری برتری تھی ان کے پاس جدید اسلحہ تھا۔ وہ نئے فنی حربوں میں طاق تھیں۔ فریب کاریوں عیاریوں اور شازشوں میں ان کا جواب نہ تھا۔

۶۔ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد سرد پڑ چکا تھا۔ نہ انہیں جدید فنِ حرب اور نئے آلات جنگ میں مہارت حاصل تھی۔

۷۔ مسلمان انگریزوں کی یلغار کی روک تھام نہ کر سکے ان کی حرص و آز کا بے بس شکار بن کر رہ گئے۔

دہلی میں مسلمانوں کی مرکزی حکومت تھی۔ بادشاہ دہلی میں ہی رہتا تھا۔ صوبہ جات متحدہ آگرہ اودھ براہ راست بادشاہ کے ماتحت تھے۔ مرکزی صوبہ کے باہر اسلامی حکومت کے بڑے صوبے دو تھے۔

۱۔ دکن
۲۔ بنگال

٢٣ اپریل ١٧٥٧ء کو بنگال کے ہندو سیٹھوں نے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے نواب سراج الدولہ حاکم بنگال کے خلاف شرمناک سازش کا جال پھیلایا فریب کاریوں سے کام لے کر ٢١ جون ١٧٥٧ء کو پلاسی کے میدان میں نواب سراج الدولہ کو شکست دی اور سارے بنگال پر چھا گئے۔

میر قاسم (بنگال)، شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ اور شاہ عالم ثانی (بادشاہ دہلی) کو جوش آیا۔ انہوں نے باہم متفق ہو کر انگریزوں کو بنگال سے نکال باہر کرنا چاہا۔

مگر انگریزوں اور ہندوؤں نے مضبوط گٹھ جوڑ کیا اور ٢٢ اکتوبر ١٧٦٤ء کو بکسر کے مقام پر مسلمانوں کو شکست دی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہو گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی سارے ہندوستان کی حکمران بن گئی۔

اورنگ زیب عالم گیر ہندوستان میں مغلیہ خاندان آخری عظیم الشان بادشاہ تھا۔ اس نے ١٧٠٧ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد تیزی کے ساتھ سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ مغل شاہزادے اپنی روایتی جفاکشی کھو بیٹھے تھے اور عیاشیوں میں پڑ گئے تھے۔

تاہم سلطنت کے زوال کا اصلی سبب یہ تھا کہ اکبر جیسے مغل بادشاہوں نے ہندو اکثریت کی حمایت حاصل کرنے کی خام خیالی میں سلطنت کے اسلامی تشخص کو ختم کر دیا۔ انہوں نے ہندوؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دیئے اور ہندوؤں کو خوش کرنے کی نیت سے ہندو عقائد اور ہندو رسومات کو اپنایا نتیجہ یہ ہوا کہ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہندو تو بدخواہ تھے اور بدخواہ ہی رہے۔ اسلامی ذہن رکھنے والے مسلمان بھی مایوس ہو گئے۔ سلطنت کے استحکام میں ہندو تو کجا مسلمانوں کو بھی کوئی دلچسپی نہ رہی گرتے گرتے مغلیہ سلطنت ایک لاش بن کر رہ گئی جس کا کوئی والی وارث نہ تھا۔



# ایسٹ انڈیا کمپنی

انگریز ١٦٣٢ء سے مشرقی ساحل پر تجارت کر رہے تھے۔

انہیں ١٦٣٤ء میں چندراگیری کے ہندو راجا نے اپنے علاقہ کا ایک قطعہ ٹھیکہ پر دے دیا۔ اس جگہ انہوں نے فورٹ سینٹ جارج نامی قلعہ تعمیر کر لیا اور مدراس میں فیکٹری قائم کر لی اس طرح سے انگریزوں کو سرزمین ہند میں قدم جمانے کا موقعہ مل گیا۔

صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ سلطنت مغلیہ کا مرکزی صوبہ تھا۔ جس کا دارالخلافہ دہلی تھا۔ بادشاہ دہلی میں ہی رہائش پذیر تھا۔

مرکزی صوبہ کے باہر ایک بڑا صوبہ دکن تھا۔ دوسرا بنگال دکن کی ریاست میسور میں ٹیپو سلطان حکمران تھا۔

٤ مئی ١٧٩٩ء کو ہندو مرہٹوں نے سلطان کے اقتدار کا تختہ الٹنے کے لیے انگریزوں کے ساتھ ساز باز کی۔

سلطان نے مرہٹوں کو لاکھ سمجھایا اور غیرت دلائی کہ اگر وہ مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو غیر جانب دار رہیں انگریزوں کا ساتھ تو نہ دیں۔ مگر مرہٹے غداری پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے غیر ملکی طاقت کا ساتھ دیا۔ انگریزوں اور مرہٹوں نے گٹھ جوڑ کر کے سلطان کے دارالخلافہ سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا دکن پر انگریز مسلّط ہو گئے۔

یاد رہے کہ اِس ساری کارستانی میں برطانوی حکومت براہِ راست ملوث نہ تھی یہ سب کچھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا جو ایک تجارتی ادارہ تھا۔ جسے ٣١ دسمبر ١٦٠٠ء میں ملکہ الزبتھ نے مشرق میں تجارت کرنے کی اجازت دی۔

# مسلمانوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے اثرات

ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلمانوں سے تخت و تاج چھینا۔ ہندوؤں نے ایسا کرنے میں ان کا ساتھ دیا۔ مسلمان حکومت کا زوال۔ انگریز ہندو گٹھ جوڑ کا نتیجہ تھا۔

۱۸۱۲ء میں سر جون ملیکم نے بھی خود پر پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے کہا کہ ہندوستان میں ہماری سلامتی کا انحصار اس حقیقت پر ہے کہ ہندوستان کی ہندو آبادی دل و جان سے ہمارے ساتھ ہے۔ ہندو تو اس وفاداری کی بدولت گورنمنٹ کے تمام محکموں پر چھا گئے۔ انہوں نے انگریزی رسمیں اور انگریزی تہذیب کو اپنا لیا۔ وہ برطانیہ کے پروردہ بن گئے۔ اسکے خلاف مسلمانوں نے انگریزوں کا ساتھ نہ دیا۔ انگریز مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے رہے اور انہوں نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے گرانے اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مسلمانوں کی تباہ حالی بدترین صورت اختیار کر گئی۔

## ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے اثرات

ہندوستان کی سیاست پر۔

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندو نواز تھی۔

۲۔ مسلمانوں کی دشمن تھی۔

اسکے دور اقتدار میں ہندو ہر میدان میں مسلمانوں سے آگے بڑھ گئے مسلمان ہر میدان میں پس ماندہ رہے۔

۱۸۵۷ء میں ایسٹ کمپنی کے خلاف بغاوت ہوئی جو ناکام رہی ہندوستان کے لوگ انگریزوں کو یہاں سے نہ نکال سکے۔ البتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی۔ تاج برطانیہ نے براہ راست ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔



(۴)

# ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف بغاوت

مئی ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔

ابتدا جنوری ۱۸۵۷ء سے ہوئی جب کلکتہ۔ برام پور اور بیرک پور میں فوجی چھاؤنیوں نے نئی انفیلڈ رائفلوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان رائفلوں کے کارتوس چکنائی سے ملوث تھے۔ استعمال کرنے والے کو کارتوس کا سرا منہ سے کاٹنا پڑتا تھا۔ مشہور ہو گیا کہ استعمال شدہ چربی گائے اور سؤر کی ہے۔ اس لئے کارتوس کا منہ سے کاٹنا نہ مسلمان سپاہی کے جائز ہے۔ نہ ہندو سپاہی کے لئے۔ مشتعل ہو کر کلکتہ اور برام پور کے سپاہیوں نے قلعہ فورٹ ولیم پر قبضہ کرنا چاہا۔

۹ رمئی کو میرٹھ میں حالات اور بگڑ گئے۔ سپاہیوں کی ایک پلٹن کا کورٹ مارشل کیا گیا، ہر سپاہی کو دس دس سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔

سپاہیوں نے جیل کے دروازے توڑ دیئے۔ انگریز افسروں کو قتل کر دیا، دہلی کا رخ کیا آخر پانچ ہزار باغیوں نے شہر پر قبضہ کر کے ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو بوڑھے بہادر شاہ کے شہنشاہ دہلی ہونے کا اعلان کر دیا، بادشاہ کے ایک بیٹے شاہزادہ مغل کو کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ ایک نیا دستور العمل نافذ کیا گیا۔ اودھ۔ روہیل کھنڈ، اور بجنور کے رؤسا نے اطاعت اور وفاداری کے پیغام بھیجے۔ اور نذریں پیش کیں۔ بریلی سے بخت خاں چودہ ہزار سپاہی لے کر شامل ہوا۔

بنگال، بہار اور سندھ میں بھی بلوے ہوئے

۱۸۵۹ء کے اوائل میں انگریزی اقتدار بحال ہو گیا بغاوت فرو ہو گئی۔

۱۸۵۸ء کے جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی اس شعر کے مضمون کی عملی تفسیر ہے کہ:

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم!

کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اس میں شک نہیں کہ ۔۔

۱۔ انگریز سپاہی بہتر تربیت یافتہ تھے، اور جدید اسلحہ سے لیس تھے۔

۲۔ سکھ اور ڈوگرے مسلمانوں کے خلاف بے جگری سے لڑے۔

۳۔ گوالیار اور نیپال کی ہندو ریاستیں انگریزوں کی وفادار رہیں۔

تاہم مسلمانوں کی ناکامی کی سب سے مؤثر وجہ ان کی اپنی اندرونی خلفشار تھی۔

۱۔ مسلمانوں میں فنِ حرب کے لحاظ سے سب سے لائق اور تجربہ کار سپہ سالار، بخت خان تھا۔ اس کی خود اپنی فوج کافی تھی۔ مگر سرکاری طور پر اسلامی افواج کا سپہ سالار بہادر شاہ کا بیٹا مرزا مغل تھا۔ جسے بخت خان کا اثر ورسوخ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

۲۔ اسلامی ریاست حیدر آباد مسلمانوں کے برملا مخالف تھی۔

۳۔ افغان الگ رہے۔ امیر افغانستان دوست محمد خاں انگریزوں کے حلیف رہے

۴۔ باغیوں کا کوئی ایک مسلّم لیڈر نہ تھا۔ ہر سرغنہ اپنی ذات میں جنگ کا خود کار مرکز تھا۔ انہیں وفاق اور اتحاد و یک جہتی کا تصور تک نہ تھا۔

۵۔ لیڈروں کے مقاصد میں ہم آہنگی نہ تھی۔ نہ لائحۂ عمل کا اشتراک تھا۔ نہ نصب العین میں وحدت فکر اور یک جہتی۔

کانپور میں تانتیا توپیہ کا طوطی بولتا تھا۔ بندیل کھنڈ میں لکشمی رانی جھانسی کا۔ الہ آباد میں ماسٹر لیاقت کا۔

سوچیے۔ تانتا توپی۔ لکشمی رانی اور ماسٹر لیاقت میں کیا یگانگت اور یک جہتی ممکن تھی!

جنگِ آزادی کی ناکامی کا انجام ملت اسلامیہ کے حق میں نہایت عبرت ناک ہوا۔

۱۔ مسلمانوں کی حکومت حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئی۔

۲۔ شاہِ دہلی بہادر شاہ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ عمر قید کی سزا دے کر اسے ذلیل کیا گیا۔ قید کر کے رنگون بھیجا گیا۔

۳۔ مغل بادشاہ کے دو شاہزادوں اور ایک پوتے کے سرِعام سر قلم کیے گئے۔ لاشوں کی بے حرمتی کی گئی۔

یہ ضرور ہوا کہ:۔



۴۔ کمپنی کی حکومت ختم ہوئی۔ ہندوستان کی باگ ڈور تاجِ برطانیہ نے براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لی۔

۵۔ ہندوستان کا حاکمِ اعلیٰ گورنر جنرل کی بجائے وائسرائے کہلانے لگا۔

لارڈ کیننگ ہندوستان کے آخری گورنر جنرل اور پہلے وائسرائے تھے۔

۵۔ بغاوت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی گئی۔ اور انگریز حکمران مسلمانوں سے انتقام لینے پر تل گئے۔

۶۔ آزادی کی تحریک تاج داروں کی بجائے عوام کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ جہاں ٹیپو سلطان اور بہادر شاہ ناکام رہے وہاں دستِ قدرت نے محمد علی جناح کے سر کامیابی کا سہرا باندھا۔

۷۔ مسلمانوں کے دلوں میں انگریزوں۔ انگریزی۔ یورپین تمدن۔ جدید علوم اور عیسائیت کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات جانشین ہو گئے۔

۸۔ کانگرس اور ہندو جاتی کے علاوہ انگریز اور برطانوی حکومت بھی مسلمانوں کے خلاف ہو گئی۔

۹۔ مسلمان تنظیم اور تعلیم میں تو پس ماندہ تھے ہی کمپنی کے خلاف جنگ میں ناکامی کے بعد ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس پریشانی اور مایوسی کے عالم میں کوئی ان کا صحیح پرسانِ حال اور صحیح راہنما نہ تھا۔

## کمپنی کی حکومت کے اثرات

### انگریز مفکرین کے انتقامی جذبات

حکومت کا چھن جانا ہر طرح سے مسلمانوں کی تباہی کا باعث بن گیا۔ اپنے عہدِ حکومت میں انہیں سیاسی برتری تھی۔ سوشل وقار اقتصادی خوش حالی اور ثقافتی بالادستی حاصل تھی۔ حکومت کے جاتے ہی وہ ذلت اور مفلوک الحالی کا شکار ہو گئے۔ مسلمان نے صدیوں تک اسی برصغیر پر حکومت کی تھی۔ اب وہ ایک بیرونی طاقت کے جوئے میں جھکڑے گئے۔ ہندوؤں نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ اور مسلمانوں سے تاج وتخت چھیننے میں ان سے گٹھ جوڑ کیا تھا۔ ۱۸۱۳ء میں صاف طور پر اعتراف کیا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی سلامتی یہاں کی۔ ہندو آبادی کی مرہون منت ہے۔

کیپٹن ٹی میکنی نے اعلانیہ کہا کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف ہر یورپین طاقت کے ساتھ
اتحاد کریں گے۔ ہندوؤں کو انگریز سے وفاداری کا پورا صلہ ملنے لگا۔

۱۸۴۳ء میں لارڈ النبرا نے لکھا کہ ہم اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرسکتے کہ مسلمان
بنیادی طور پر ہمارے دشمن ہیں، اور ہماری واضح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کی دل جوئی کریں۔

۱۸۱۳ء میں تھامس منرو نے بیان دیا کہ اگر ہندو مطمئن ہوں تو مسلمان انگریزوں کا کچھ
نہ بگاڑ سکیں گے۔

مسلمان انگریزوں کے خلاف تھے اور اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے

سر جان میلکم نے ۱۸۱۳ء میں اعتراف کیا کہ ہندوستان میں انگریز کی سلامتی کا دارومدار بیان کی۔
ہندو آبادی کی وفاداری پر ہے۔

کیپٹن ٹی میکن نے اعلانیہ کہا کہ مسلمان انگریز کا دشمن ہے۔ وہ انگریز کے خلاف ہر یورپین طاقت
سے ساز باز کرے گا۔ ہندوؤں کی وفاداری مسلمہ ہے۔ انہیں انگریز کی وفاداری کا صلہ ملے گا۔

۱۵۴۳ء میں لارڈ البنرا نے لکھا کہ ہم اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرسکتے کہ مسلمان
بنیادی طور پر ہمارے دشمن ہیں ہماری واضح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کی دِل جوئی کریں۔

۱۸۱۳ء میں تھامس منرو نے بیان دیا کہ اگر ہندو مطمئن ہوں تو بڑبڑانے والے مسلمان
ہمارا بال بیکا نہ کرسکیں گے۔

مسلمان انگریزوں سے ناراض تھے، اور وہ اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کے درپے
تھے۔ وارن ہیسٹنگز کے عہد میں فقیر کی بغاوت۔ سرحد میں بے چینی۔ ٹیٹو میر۔ حاجی شریعت اللہ
کی کوششیں انگریزوں کے خلاف اظہارِ ناراضگی کے علاوہ کیا تھا؟

۱۸۷۱ء میں ہنٹر نے متنبہ کہا کہ ہندوستان کے مسلمان برطانوی اقتدار کے جانی دشمن ہیں
آخر ۱۸۵۷ء کی غدر کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی گئی۔

چنانچہ غدر کے بعد انگریز سپاہیوں نے مسلمانوں کی لاشوں کو سوّر کی چربی میں چکنا کرکے انہیں
سوّر کی کھال میں سی کر جلایا۔

ہزارہا مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے مالی ومال کو بے دردی سے لوٹا۔



مسلمانوں پر ملازمت۔ کاروبار۔ علم وفن اور تعلیم و تربیت کے تمام دروازے سختی
سے بند کر دیئے۔

اس سلسلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے جو اعلان اور اشتہار جاری ہوتے ان میں
صاف طور پر واضح کر دیا جاتا کہ یہ مواقع مسلمانوں کے لیے نہیں ہیں۔ وہ کوشش نہ کریں۔
یہ اسامیاں اور مواقع صرف غیر مسلم لوگوں کے لیے ہیں۔

۱۸۷۱ء میں ہنٹر نے متنبہ کیا کہ ہندوستان کے مسلمان برطانوی اقتدار کے جانی دشمن ہیں۔
غرض ۱۸۵۷ء کے غدر کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی گئی۔

چنانچہ غدر کے بعد انگریز سپاہیوں نے مسلمانوں کی لاشوں کو سوّر کی چربی میں چکنا کرکے انہیں
سوّر کی کھال میں سی کر جلایا۔

ہزارہا مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور ان کے مالی وھال کو لوٹ لیا۔ مسلمانوں پر ملازمت۔ کاروبار
اور تعلیم و تربیت کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔

اس سلسلہ میں گورنمنٹ کی طرف جو اعلان اور اشتہار جاری ہوتے اس میں صاف طور پر واضح
کر دیا جاتا کہ یہ مواقع مسلمانوں کے لیے نہیں۔ صرف ہندوؤں کے لیے ہیں۔

## سر سیّد احمد خاں

ایسے پُر آشوب اور مایوس کن حالات میں مسلمانوں کو سر سید کی ذات میں ان کا صحیح راہ نما میسر ہو گیا۔
سر سید۔ دانا۔ زیرک۔ دور اندیش۔ فراخ دل۔ بالغ نظر۔ اور حقیقت پسند راہ نما تھے
انہوں نے بالغ نظری سے حالات کا جائزہ لیا اور اعتماد، عزم اور حوصلے کے ساتھ مسلمانوں کی
رہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔

سر سید نے بھانپا کہ اس وقت اہم مسائل حسب ذیل تھے۔

۱۔ انگریز بغاوت کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالتا تھا۔ اور انتقامی جذبہ کے تحت مسلمانوں کو ہر میدان میں نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ ہندوؤں کو مسلمانوں پر مسلط کرنے پر تلا ہوا تھا۔

۲۔ جوابی طور پر مسلمان انگریزوں سے بے حد بدظن تھے۔ اور انگریزوں سے متعلق ہر شئی کو نفرت کرنے لگے تھے۔ انگریزوں کی زبان انگریزی۔ انگریزوں کے مذہب عیسائیت کا نام تک سننے کے روادار نہ تھے۔

سرسید نے اسباب بغاوت ہند نامی کتاب لکھی اس میں انہوں نے بے باک ہو کر انگریزوں کو تنبیہ کی اور ان کی آنکھیں کھولیں۔ کہا انگریز ہندوستانیوں پر تو بغاوت کا الزام لگاتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ بغاوت کے اسباب مہیا کرنے میں ان کا اپنا ہاتھ ہے۔ بغاوت کی اصل وجہ سرکار اور رعیت کے مابین بے گانگی ہے۔ مٹھی بھر انگریزوں نے کبھی کروڑہا ہندوستانیوں کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان کو اپنا نقطۂ نظر سمجھائیں۔ اور ان کا نقطۂ نظر سمجھیں۔ انگریز ہندوستانیوں کو ڈنڈے سے ہانکنے کا عادی سا ہے سیاسی معاملات میں کبھی ہندوستانیوں سے صلاح مشورہ نہیں کرتا۔

سرسید کی اس تنبیہ کا اثر یہ ہوا کہ انگریز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

۱۔ ہندوستانیوں سے انتقام لینے کا جذبہ سرد پڑ گیا۔

۲۔ انڈین کونسل ایکٹ ۱۸۶۱ء کی رو سے ہندوستانیوں کو پہلی دفعہ ملکی معاملات میں مشورہ دینے کا حق مل گیا۔

سرسید نے انگریزوں پر واضح کیا کہ بغاوت میں سارے ہندوستانیوں نے حصہ لیا۔ الزام اور عتاب صرف مسلمانوں پر کیوں؟ بغاوت میں مولوی احمد اللہ اور ماسٹر لیاقت نے حصہ لیا ہے تو مرہٹہ ہندو تانتیا ٹوپے اور لکشمی رانی جھانسی نے کون سی کسر اٹھا رکھی۔

اپنے رسالوں میں سرسید نے واضح کیا کہ جہاں ظلم ڈھانے والوں کی داستانوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ وہاں امن پسند اور درد دل رکھنے والے ان لاتعداد مسلمانوں کی کارگزاریوں کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے، جنہوں نے اپنی جانوں کو جوکھوں اور شدید خطروں میں ڈالا۔ انگریز بچوں اور انگریز عورتوں کی جان بچائی۔ ان حقیقتوں کو سامنے لانے کا اثر یہ ہوا کہ انگریز



حالات کا جائزہ حقیقت پسندی سے لینے لگے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کے انتقامی جذبات سرد پڑ گئے۔ انگریز اور مسلمانوں کے مابین مخاصمت کی بجائے مفاہمت کے جذبات فروغ پانے لگے۔

سرسید نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ انگریز جلدی ہندوستان سے جانے کے نہیں۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان انگریزوں کے بارہ میں مخاصمت کی بجائے مفاہمت کا رویہ اختیار کریں

۱۔ مسلمان اپنی اصلاح کریں۔ اسلام دین حق ہے۔ اس پر دل وجان سے پابند رہیں۔ مگر عیسائیت سے دشمنی کیوں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کریم کے سچے نبی ہیں۔ اپنے اصلی رنگ میں عیسائیت اسلام ہی کی ایک کڑی ہے۔ البتہ عیسائیوں نے اس میں غلو کر دیا ہے جو مسلمانوں کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں۔ مسلمانوں کو نفرت دین میں غلو سے ہونی چاہئے۔ نہ کہ اصل عیسائیت سے۔

۲۔ مسلمانوں کا تصادم انگریز سے ہوا ہے۔ نہ کہ انگریزی سے۔ انگریزی ایک زبان ہے، آج یہ زبان جدید علوم حاصل کرنے کا خزینہ اور ذریعہ ہے۔ مسلمان انگریزی نہ سیکھیں گے تو تجرباتی سائنس ایسے جدید علوم سے بے بہرہ رہ جائیں گے۔ جو در اصل اسلام کا خاصہ ہیں۔ جدید علوم میں مسلمانوں کی پس ماندگی ان کی دنیوی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوگی۔

یہ بھی ہے کہ انگریزی آج سرکاری اور دفتری زبان ہے مسلمان اس سے ناآشنا رہیں گے تو حکومت میں اپنے جائز حقوق بھی حاصل نہ کر سکیں گے۔

۳۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سرکاری نظام تعلیم کے نصاب میں نہ خالق ہے۔ نہ خُلق۔ ایسی تعلیم ان لوگوں میں بے راہ روی کو جنم دیتی ہے۔ اس سے نہ خدا خوفی کا سبق ملتا ہے۔ نہ بلند کرداری کا۔ مسلمانوں کو اپنی فلاح کے لئے اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے چاہئیں۔

ان تصورات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرسید نے،

۱۔ ۱۸۶۴ء میں غازی پور سکول کی بنیاد رکھی۔

۲۔ مئی ۱۸۷۵ء میں ایم۔ اے۔ او سکول علی گڑھ جاری کیا جو دو سال سے بھی کم عرصہ میں کالج بن گیا، جس کا سنگ بنیاد ۸/جنوری ۱۸۷۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ لٹن نے رکھا۔ ان

ان اداروں میں جدید علوم کو اعلیٰ معیار پر پڑھانے کا اہتمام تھا یہ اقامتی درس گاہیں تھیں۔ طلباء اسلامی طرزِ حیات اپنانے کے پابند تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں تعلیم و تربیت کا جذبہ جاگ اٹھا۔ پنجاب میں انجمن حمایتِ اسلام نے لاہور میں کالج اور مختلف مقامات پر جا بجا سکول جاری کیے۔

صوبہ سرحد میں صاحب زادہ عبدالقیوم نے ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج پشاور قائم کیا۔

جو کام سرسید نے ہندوستان میں کیا وہ بنگال میں نواب عبداللطیف نے کیا، مسلمان طلباء اور طالبات جدید تقاضوں کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کرنے لگے اور اسلامی طرزِ حیات اپنانے لگے۔ اسلام کی سربلندی کے جذبہ سے سرشار رہنے لگے۔ علی گڑھ ایک تحریک بن گیا۔

یاد رہے کہ سرسید مسلمانوں کی تنظیم۔ ترقی۔ اصلاح اور فلاح کے داعی تھے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے خلاف نہ تھے۔ نہ انہیں کسی فرد، فرقہ، قوم سے نفرت تھی۔

۱۸۶۷ کے اردو و ہندی تنازعہ میں متعصب ہندوؤں کی ہندی کے حق میں طرف داری اور اردو سے دشمنی نے ہندو مسلم اتحاد کے بھرم کا پردہ چاک کر دیا۔ کانگرس نے برملا ہندو ذہنیت کی پاس داری کر کے متحدہ ہندوستان کی نمائندگی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ تو سرسید کو یہ باور کرنا پڑا کہ کانگرس ایک متعصب ہندو جماعت ہے جو یہی نہیں کہ ہندوستان سے اسلام اور اسلامی نقوش کو مٹانا چاہتی ہے۔ وہ ہندو مسلم فسادات کو ہوا دینے کے درپے ہے۔

چنانچہ سرسید نے ۱۸۸۸ء کے اوائل میں مسلمان اور ہندوؤں کے باشعور طبقہ سے اپیل کی وہ کانگرس کی اِس پالیسی کے خلاف متحد ہو جائیں۔ چند دنوں بعد سرسید نے ہندوستانی محبانِ وطن ایسوسی ایشن قائم کی دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے مختلف حصوں میں ایسی چالیس انجمنیں قائم ہو گئیں۔ انہوں نے باقاعدہ طور پر ہندوستانی محبانِ وطن ایسوسی ایشن سے الحاق کیا۔ ان انجمنوں کے ممبر مسلمان بھی۔ ہندو بھی۔

واضح ہو گیا کہ مسلمان تو کجا سارے کے سارے ہندو بھی کانگرس کے ہم نوا نہیں۔

ہندوستانی محبانِ وطن ایسوسی ایشن کے علاوہ سرسید نے

۱۔ سائنٹیفک سوسائٹی۔



۲۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن قائم کیں۔ ان کے ممبر مسلمان بھی بن سکتے تھے، ہندو بھی۔

۳۔ ان کا سب سے مقبول کارنامہ علی گڑھ کالج کا قیام ہے۔

کالج کے دروازے ہندوؤں کے لیے بھی کھلے تھے، ہندوؤں کی دل جوئی کے لئے کالج کی حدود میں گائے ذبح نہ ہو سکتی تھی۔

اس تمام رواداری کے باوجود ہندو ذہنیت جوں کی توں ہی رہی۔

بنارس کے ہندوؤں نے ۱۸۶۷ء میں اردو ہندی تنازعہ بپا کر دیا۔

انہوں نے مطالبہ کیا کہ شمال مغربی صوبہ جات میں اردو کی بجائے ہندی کو قومی اور دفتری زبان قرار دیا جائے کیونکہ ہندی، ہندو اکثریت کی زبان ہے۔

چند ماہ میں صوبہ بھر میں جگہ جگہ اس مطالبہ کی حمایت میں انجمنیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا صدر مرکزی دفتر الٰہ آباد میں قائم کیا گیا۔

اردو، ہندی مسئلہ۔ اردو اور ہندی کے حامیوں میں ایک زبردست ہنگامے کی صورت اختیار کر گیا۔ کانگرس نے ہندی کی حمایت کا بیڑا اٹھایا۔

اردو ہندو مسلم اتحاد اور یگانگت کی علامت ہے۔

علی گڑھ کے دانشوروں نے اگست سنہ ۱۹۶۶ء میں لکھنؤ کے مقام پر اردو ڈیفنس سوسائٹی قائم کی۔

ہندو سرسید سے بگڑ گئے۔ انہوں نے تحریک چلائی کہ سرسید بوڑھے ہو چکے ہیں۔ عنقریب چل بسیں گے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نظریات کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔

آخر سرسید کو یقین ہو گیا کہ اسلام۔ اسلامی نقوش اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم قائم کی جائے۔ وہ ہندوؤں کے یک قومی نظریہ کی بجائے مسلمانوں کے دو قومی نظریہ کے قائل ہو گئے۔

وقار الملک کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے لیے ابتدائی مراحل سرانجام دیں۔

اس وقت محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی جس کے پلیٹ فارم پر مسلم زعما جمع ہوا کرتے تھے۔

۱۸۸۹ء میں کانگرس میں ہی مسلم طبقہ کانگرس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ قانون ساز اسمبلیوں میں کے سوال پر۔

مسلمان طبقہ نے مطالبہ کیا کہ وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں مسلمانوں کو ہندوؤں کے برابر نشستیں دی جائیں۔ کانگرس نے اس کی مخالفت کی۔

مسلمان ممبر کانگرس سے علیحدہ ہو گئے۔

کانگرس بدنام ہو گئی۔ سرسید ہر دلعزیز ہو گئے۔

علی گڑھ تحریک کی مخالفت ختم ہو گئی۔

آج کے مسلم معاشرہ کے ہر پہلو پر سرسید کے افکار کے اثرات ہیں۔

۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی جن کے جلسوں میں مسلمان زعما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے تھے۔

اکتوبر ۱۹۰۱ء میں لکھنؤ میں مسلمان مفکرین ایک نمائندہ اجتماع ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ:۔ صحیح معنوں میں مسلمانوں کی ایک نمائندہ سیاسی تنظیم قائم کی جاتی۔ وقار الملک کو اختیار دیا گیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں ضلعی تنظیمیں قائم کریں۔ جو بعد میں مرکزی تنظیم میں شامل ہو جائیں۔ ۱۹۰۳ء میں وقار الملک نے صوبجات متحدہ کے بعض حصوں میں ضلعی جو منبی قائم کیا۔ اگلے سال کے اوائل میں وہ حج کیلئے چلے گئے۔

آخر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی گئی۔

سرسید کے سامنے ملت اسلامیہ کی اصلاح اور فلاح کا ایک جامع اور وسیع منصوبہ تھا۔ اس دور کے مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ پر سرسید کی اصلاحات کے اثرات نمایاں ہیں۔ سرسید نے مولانا حالی کو مسدس حالی لکھنے کی ترغیب دی۔ حالی نے مسلمانوں کے مرض کی تشخیص کی۔ علامہ اقبال نے اس مرض کا علاج بتایا۔ جسے مسلمانوں نے دل وجان سے اپنایا اور غلامی سے نجات پائی۔

آپ نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد مسلمانوں کے بارہ میں انگریز مفکرین کے انتقامی جذبات کی چند جھلکیاں ملاحظہ کریں:۔



بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ یہ کتابچہ تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کانگرسی ذہن کے لوگ کس منہ سے یہ غلط فہمی پھیلانے کی جسارت کرتے ہیں کہ پاکستان انگریز کا عطیہ ہے۔ وہ جاتے وقت شرارت سے ہندوستان کے دو ٹکڑے کر گیا تاکہ دونوں حصے باہم حالتِ جنگ میں رہیں، اور انگریز اپنی مطلب برآری کے لئے انہیں استعمال کرتا رہے۔

انگریز کو کب منظور تھا کہ ہندوستان جنت نشان جسے اس نے ہندو سے گٹھ جوڑ کر کے شرم ناک حیلوں اور بہانوں سے مسلمانوں سے ہتھیایا تھا۔ جاتے وقت واپس مسلمانوں کو سونپ جاتے۔ انگریز نے اپنے زمانہ استبداد میں ہر موڑ پر مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کی۔ آخر ۴۷ ۱۹ء میں قائدِ اعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں مطالبۂ پاکستان برِ صغیر پاک و ہند کے کُل مسلمانوں کا واحد اور محبوب مطالبہ بن گیا۔ یہ مطالبہ ایک زبردست تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ ہر مسلمان اس کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو بے قرار ہو گیا۔ اب مطالبہ کو نظر انداز کرنا ناممکن ہو گیا۔ اور حالات بے قابو ہونے لگے تو برطانیہ عظمیٰ کے وزیرِ اعظم ایٹلی کو اعلان کرنا پڑا کہ جون ۱۹۴۸ء آخری حد ہے اس کے بعد انگریز اپنا بسترا بوریا لپیٹ کر ہندوستان سے چلتا بنے گا۔ ہندوستان یا اس کا جتنا حصہ مناسب سمجھے گا۔ ہندوستان کے مفاد میں جسے چاہے گا سونپ جائے گا۔ ایٹلی نے تقسیمِ ہند کے منصوبہ کو بروئے کار لانے کا کام لارڈ مونٹ بیٹن کے سپرد کیا۔ اور اسے اس ایما کے ساتھ ہندوستان بھیجا کہ حتی الامکان ہندوستان متحد رہے۔ تقسیم نہ ہونے پائے۔

برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۸/ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی کا ایکٹ پاس کیا۔

۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو آزاد اور خود مختار مملکتوں میں تقسیم ہو گیا۔

قائدِ اعظم کی بصیرت کا کیا کہنا کہ ان مخالفات کے باوجود ۲۱/ مارچ ۱۹۴۷ء کو جونہی ہندوستان کے آخری وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان آئے۔ آپ نے ان سے ملاقات کی اور مطالبہ پاکستان کی منظوری حاصل کر لی۔ قائدِ اعظم کا ستارۂ اقبال تھا کہ جس سے ملتے یا بات چیت کرتے اُن کے ہم خیال ہو جاتا۔

۲۳/ مارچ ۱۹۴۷ء کو یومِ پاکستان پر قائدِ اعظم نے قوم کے نام پیغام دیا۔

۳/ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے برطانوی منصوبہ کا اعلان ہوا۔ اُسی روز آل انڈیا ریڈیو سے قائدِ اعظم نے تقریر کی۔

اکتوبر ۱۹۰۱ء میں مسلمان مفکرین ایک نمائندہ اجتماع لکھنؤ میں ہوا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا کہ صحیح معنوں میں مسلمانوں کی ایک نمائندہ سیاسی تنظیم قائم کی جائے وقار الملک کو اختیار دیا گیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں ضلعی تنظیمیں قائم کریں، جو بعد میں مرکزی تنظیم میں مدغم ہو جائیں۔ ۱۹۰۳ء میں وقار الملک نے صوبجات متحدہ کے مختلف اضلاع میں ضلعی تنظیمیں قائم کیں۔ اگلے سال کے اوائل میں وہ حج کے لئے حرمین شریفین چلے گئے۔

ان کی عدم موجودگی میں سیاسی تنظیم کا کام التوا میں رہا۔

ان کی واپسی پر ۱۹۰۶ء میں باقاعدہ طور پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔

## ہندو مسلم اتحاد

سر سید مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کے داعی تھے۔ ہندوؤں کے مخالف نہ تھے۔ وہ وحدتِ نسلِ انسان کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اور عملی طور پر اس نظریہ کے شدت سے قائل تھے کہ ساری مخلوق اللہ کریم کا عیال ہے۔ اور اللہ کو سب سے پیارا وہ ہے جو اس کی عیال سے پیار کرے

## یک قومی نظریہ

ہندو نے متحدہ قومیت (یک قومی نظریہ) کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔

یہ تصور سیدھا سادا تصور نہ تھا۔ اس کی جڑیں گہری تھیں۔ یہ ایک گھناؤنا منصوبہ تھا۔

مقصد یہ تھا کہ:۔

"ہندوستان میں رہنے والی غیر ہندو اقلیتو! ہندوستان میں رہنا ہے تو ہمارے بن کر رہو۔ ورنہ نکل جاؤ۔"

ہندو سوراجیہ کے خواب دیکھ رہا تھا۔ سوراجیہ میں ہندو کے علاوہ سب غیر محفوظ ہندو نے یک قومی نظریہ کے تحت مطالبہ کیا کہ:۔



"مسلمانو! ہندوستان میں رہنا ہے تو ہمارے بن کر رہو۔"

مسلمان کی غیرت نے جوش مارا۔ اس نے للکار کر کہا کہ۔ مسلمان سب سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے

مسلمانوں نے "دو قومی نظریہ اختیار کیا۔"

## دو قومی نظریہ

دو قومی نظریہ یہ ہے کہ ہندو ہندو ہے تو مسلمان مسلمان ہے۔

لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے غیر مسلم زعما نے دو قومی نظریہ کے معنی یہ لیتے ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ ساری اقلیتیں غیر محفوظ۔ حالانکہ دو قومی نظریہ ملت اسلامیہ کا نظریہ ہے۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمان سب سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جو اسلام کے داعی ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے مسلمانوں کا نقطۂ نظر درحقیقت انسانی نقطۂ نظر ہے جس کے مطابق ہر انسان اور ہر قوم کا حق محفوظ ہے، وہ امن اور سلامتی میں ہے۔

یک قومی اور دو قومی نظریہ کا تصادم چراغِ مصطفوی اور شرارِ بولہبی کے مابین ستیزہ کاری ہے۔

۱۸۶۷ء کے اردو۔ ہندی تنازعہ میں متعصب ہندوؤں کی طرف داری کر کے کانگرس نے اپنی ذہنیت کا پردہ چاک کر دیا۔

واضح ہو گیا کہ:۔

۱۔ کانگرس ایک متعصب ہندو تنظیم ہے جو یہی نہیں کہ اسلام اور اسلامی نقوش کو ہندوستان سے مٹانا چاہتی ہے، وہ ہندو مسلم فسادات کو ہوا دینا چاہتی ہے۔

چنانچہ سر سید نے:۔

۱۔ اگست ۱۸۸۸ء کے اوائل میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باشعور طبقہ سے اپیل کی وہ کانگرس کی اس پالیسی کے خلاف متحد ہو جائیں۔

پس انہوں نے اپنے) اپنے مذہب اور اپنی ثقافت کے تحفظ کے لیے علیحدہ قوم کے
طور پر علیحدہ وطن حاصل کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔

انہوں نے نعرہ لگایا:۔

"دے کے رہیں گے پاکستان"

پاکستان کا مطلب کیا؟

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ"

قادرِ قدیر نے اپنی سنتِ ثابتہ کے مطابق ان کی پُرخلوص تمنا کا احترام کیا اور تمام
رکاوٹوں کے باوجود اپنی قدرت کاملہ سے پاکستان عطا فرمادیا۔

بیشک اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۴۷ء میں نیز ۱۳/جنوری ۱۹۴۸ء
کو اسلامیہ کالج پشاور میں فرمایا:۔

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔ بلکہ
ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"

## حصولِ پاکستان میں علماء کا کردار

پس قائدِ اعظم کا نظریہ پاکستان کتاب وسنت کے عین مطابق تھا۔ اس کے حصول میں علماء کرام
اور مشائخ عظام کا کردار فیصلہ کن تھا۔ یہ وہی تحریک تھی جس کی شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے
خاموش تائید کی مجاہد اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے سرگرمی سے قید وبند کی
صعوبتیں جھیل کر آگے بڑھایا جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد زندہ رکھنے میں اٹھارھویں میں
شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحب زادگان اور دیگر علماء اور مشائخ نے رات دن
ایک کر دیا۔ آخر نہایت پُر آشوب زمانہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی اور ان کے عقیدت کیشوں
نے اس جذبہ کو اس خوبی سے ابھارا کہ ہنود یہود و نصاریٰ کی متحدہ منظم سازشوں اور مخالفتوں



کے باوجود تقسیم ہند اور مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا منصوبہ حصول پاکستان کی صورت میں کامیاب
ہو کے رہا۔

علماء کرام اور مشائخ عظام نے دل وجان سے قائد اعظم کا ساتھ دیا۔ اور خلوص نیت کے
ساتھ فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

مارچ ۱۹۲۵ء میں مراد آباد (بھارت) میں علمائے اہل سنت کی چار روزہ کانفرنس ہوئی جس
میں آل انڈیا سنی کانفرنس قائم کی گئی۔ اس کے صدر حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری تھے
ناظم اعلیٰ صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔

سنی کانفرنس نے برصغیر پاک وہند میں جگہ جگہ شاندار اجلاس منعقد کر کے نظریہ پاکستان کی
حمایت اور تائید کی اس کانفرنس کا ایک تاریخی اجلاس ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو جامعہ نعیمیہ کے
میدان میں ہوا جس میں مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے اپنے خطبہ صدارت میں ان تمام امور کی نشان
دہی فرمائی جو ۱۹۴۶ء تک منظر عام پر آئے۔

اسی کانفرنس نے ۱۶ تا ۱۸/مئی ۱۹۴۷ء کو جو کھریا ضلع مظفر پور صوبہ بہار (بھارت) میں تین
روزہ اجلاس منعقد کر کے تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے بارہ میں پُر زور قرار دادیں
پاس کیں۔

مولانا سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی صدر جلسہ تھے۔ مولانا حامد رضا خاں مستقل صدر کانفرنس تھے۔

۱۸/ستمبر ۱۹۲۸ء کو مراد آباد میں اسی کانفرنس کا خاص اجلاس ہوا۔ نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے
خلاف قرار داد پاس ہوئی اور لازمی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۹۳۶ء میں مولانا اشرف علی تھانوی نے مسلم لیگ کے حمایت میں فتویٰ دیا۔ مولانا نے ہی
۱۹۳۸ء میں ایک وفد قائد اعظم کے پاس پٹنہ روانہ کیا تھا۔

۱۹۳۹ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ قائد اعظم سے دہلی جا کر ملے۔ ۱۹۴۶ء میں یہ حضرات
مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔

جنوری ۱۹۴۶ء میں جمعیت علمائے اسلام نے لاہور میں وہ تاریخی کانفرنس منعقد کی جس میں مولانا
شبیر احمد عثمانی نے "ہمارا پاکستان" کے عنوان سے وہ ولولہ انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس کی مثال نہیں

کلکتہ میں ۲۶ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا جمعیت علمائے اسلام کی شاندار کانفرنس ہوئی۔ جس میں پانچ سو نامور علماء اور مشائخ نے شریک ہو کر تحریکِ پاکستان کی زبردست اور مؤثر حمایت اور تائید کی۔

سرحد میں مسلم لیگ کی کامیابی پیر صاحب مانکی شریف پیر صاحب زکوڑی شریف اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی مخلص کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح سے سلہٹ میں مسلم لیگ کی فتح مولانا شبیر احمد اور مولانا ظفر احمد کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوئی حالانکہ وہاں جمعیت علماء ہند چھائی ہوئی تھی۔

تحریکِ پاکستان میں علماء اور مشائخ نے بھرپور جدوجہد کی۔ ان کا سب سے اہم کام ملت کو جگانا اور اٹھانا تھا۔ اور یہ کٹھن کام انہیں کے کرنے کا تھا۔

لیاقت علی خاں جس حلقے سے کھڑے ہوئے تھے وہ علماء دیوبند کا گڑھ تھا۔ اور کانگرس نے خاں صاحب کو شکست دینے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ یہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار کی عظمت ہے کہ انہوں نے کانگرس اور جمعیت علمائے ہند کی تمام سازشوں کو خاک میں ملا دیا۔

تحریکِ پاکستان میں علماء کرام اور مشائخ عظام کے کردار کی داستان بہت طویل ہے۔ یہ کتابچہ تفصیل کا متحمل نہیں۔

پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری۔ شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی۔ مولانا عبد الحامد بدایونی۔ مفتی جعفر حسین مجتہد، پیر صاحب سرسگینہ شریف۔ مولانا ظفر علی۔ مولانا محمد علی جوہر، سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی۔ مولانا عبد العلیم میرٹھی۔ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ ——— وہ عظیم ہستیاں ہیں جو تعارف کی محتاج نہیں۔ تشکیل پاکستان کے سلسلہ ان کی مساعی جمیلہ تاریخ کا انمٹ اور نہایت درخشاں باب ہیں۔

۳۷-۱۹۳۶ء کے سہ ماہی انتخابات ہوئے۔ کانگرس سب سے پرانی۔ مالدار اور



بہترین منظم سیاسی جماعت تھی، اور وہ دیگر سیاسی جماعتوں سے بہتر بھی رہی۔ مگر وہ پچاس فیصد نشستیں بھی حاصل نہ کر سکی اس سے گاندھی جی کے اس دعوے کی تردید ہوگئی کہ کانگرس ہندوستان کی ۹۵ فی صد آبادی کی نمائندگی کرتی ہے۔ نیز وہ صرف ہندو حلقوں میں کامیاب ہوئی۔ ۴۹۱ مسلمان حلقوں میں سے وہ صرف ۲۶ نشستیں جیت سکی۔ لیگ نے ۱۰۶ نشستیں جیت لیں۔

تاہم لیگ دوم درجہ کی جماعت سمجھی جاتی تھی۔ فنڈز کی کمی سے دوچار تھی۔ نتائج کا اعلان فروری ۱۹۳۷ء میں ہوا۔

کانگرس کو مدراس، صوبجات متحدہ، صوبجات وسطی، بہار اور اڑیسہ پانچ صوبوں میں اکثریت حاصل ہوئی۔ وہ کامیابی کے نشہ میں سرشار تھی۔ مگر وہ اس نشہ میں حد سے بڑھ گئی۔ دیگر سیاسی جماعتوں کے وجود تک سے انکار کرنے لگی۔ پنڈت اس وقت کانگرس کے صدر تھے۔ انہوں نے برملا اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ کانگرس اور برطانیہ خاص چوٹ مسلم لیگ پر تھی۔ جناح کی پالیسی صلح کل تھی اور وہ کانگرس کے ساتھ مل کر کام کرنے کو رضامند ہے، مگر کانگرس نے اس خیر سگالی کی پرواہ نہ کی، اور اس نے صوبوں میں اپنی وزارتیں قائم کرلیں۔ لیگ چاہتی تھی کہ اس کے نمائندے صوبائی وزارتوں میں لئے جائیں۔ سائمن کمیشن کی سفارشات اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی پالیسی کے مطابق ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

مگر کانگرس نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس نے عوام کے ساتھ رابطہ کی مہم چلائی تاکہ مسلمان لیگ سے کٹ جائیں۔ مسلم لیگ سے مل کر کام نہ کرنا اور پھر مسلمانوں کو لیگ سے برگشتہ کرنا۔ ایسے فعل تھے کہ مسلمان کو علیحدگی پر چھوڑ دو۔ اور ان کے خدشات بڑھ گئے۔ کانگرس نے پانچ صوبوں میں اپنی وزارتیں بنالیں۔ دیگر اقلیتی جماعتوں سے مل ملاکر بمبئی اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اپنی وزارتیں قائم کرلیں، اس طرح سے کانگرس نے برٹش انڈیا کے گیارہ میں سے سات صوبوں میں وزارتیں قائم کرلیں۔ مسلمانوں کے لئے سوائے اس کے چارہ کار نہ تھا کہ اپنی تنظیم کریں، اور مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں۔ ان حالات کے بارہ میں غور و خوض کے لئے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنو کے مقام پر مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ محمد علی جناح صدر تھے۔ آپ نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ اور فرمایا،۔

تحفظات اور عہد نامے محض کاغذ کے پُرزے ہیں۔ طاقت نہیں تو وہ بے کار ہیں۔ سیاست طاقت کا نام ہے نہ کہ خالی انصاف۔ عدل۔ روا داری خیر سگالی کی توقعات۔ پر جیتے رہنا۔ ہندوؤں نے بار بار واضح کر دیا ہے کہ مسلمان ان سے کوئی توقع نہ رکھیں۔ مسلمانو! جاگو۔ لیگ میں شامل ہو جاؤ۔ اس تقریر اور اپیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ:-

۱:- سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب۔ فضل الحق وزیر اعظم بنگال اور محمد سعد اللہ خان وزیر اعظم آسام سرِ دست لیگ میں شامل ہو گئے۔ ان وزرائے اعظم کی شمولیت سے لیگ اتنی طاقت ور ہو گئی کہ اس سے قبل کبھی اتنی طاقت ور نہ تھی۔

۲:- صرف صوبجات متحدہ میں لیگ کی ۱۷۰ نئی شاخیں قائم ہو گئیں۔ اور ایک لاکھ نئے ممبر لیگ میں شامل ہو گئے۔

اس اجلاس میں لیگ نے مکمل آزادی کو اپنا مؤقف قرار دیا۔ جس میں اقلیتوں کو تحفظات کا یقین دلایا گیا۔

اٹیلی جو ۱۹۴۷ء میں برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم تھے انہوں نے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو اعلان کیا کہ برطانیہ زیادہ سے زیادہ جون ۱۹۴۸ء تک ٹھہرے گا۔ بعد ازاں ہندوستان کو خیرباد کہہ دے گا۔ ہندوستانیوں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کُل یا جتنے ہندوستان کو چاہے گا۔ اس پارٹی کے سپرد کر دے گا جسے وہ مناسب سمجھے گا۔ طاقت کے انتقال کا کام لارڈ مؤنٹ بیٹن کے سپرد تھا۔ لارڈ ولول کی بجائے وائسرائے بنائے گئے۔

اٹیلی کی طرف سے مؤنٹ بیٹن کو ایما تھا۔ کہ ہندوستان متحد رہے تقسیم نہ ہونے پائے ہندو کانگرس۔ برطانوی حکومت اور مسلم لیگ میں واضح طور پر یہ طے ہوا تھا کہ جس صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہ پاکستان میں شامل کیا جائے گا۔ لیکن عین وقت پر سکھوں اور ہندوؤں کے ساتھ سازش کر کے ماؤنٹ بیٹن نے بد دیانتی سے پنجاب کو تقسیم کر دیا۔

قائدِ اعظم کو اس سے بے حد صدمہ ہوا مگر اس وقت کے حالات کے مطابق بدلِ ناخواستہ تقسیم پنجاب کو تسلیم کرنا پڑا۔

سکھوں نے تو بونڈری کمیشن کے سامنے اپنا کیس پیش کرتے ہوئے۔ موجودہ مشرقی پنجاب



کے علاوہ ضلع لاہور۔ ضلع شیخوپورہ۔ ضلع فیصل آباد اور ضلع ساہیوال کو مشرقی پنجاب میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس بنا پر کہ ان اضلاع میں اراضی اور سکنی جائیداد سب سے زیادہ سکھوں کی ہے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے تو موجودہ پنجاب اسمبلی کی عمارت کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اپنی کرپان میان سے نکال کر ہوا میں لہراتے ہوئے کہا تھا کہ:-

”سکھ کبھی پاکستان نہ بننے دیں گے۔“

انگریز اپنے وفادار سکھ بہادر کی پشت پر تھا۔ اور ہر قیمت پر اس کی ناز برداری چاہتا تھا۔ انگریز کے سر پر سکھوں کی ناز برداری کا جنوں سوار نہ ہوتا تو پنجاب تقسیم نہ ہوتا۔ نہ کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوتا۔ نہ کشمیر کے مسلمان ظلم وستم کا شکار ہوتے۔ نہ پاک بھارت اچھے تعلقات میں کوئی رکاوٹ حائل ہوتی۔

********

## ۶

# برطانوی سامراج

"سیاسی رسہ کشی۔ کانگرس رینگ"

۱۸۵۸ء میں ہندوستانیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ اور انگریزوں کا خیال تھا کہ ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ ہندوستانیوں کا خیال تھا کہ انگریزوں نے انتقام کے طور پر ظلم و ستم روا رکھے ہیں

بغاوت ناکام ہوگئی۔ تاہم کمپنی کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

برطانیہ کے بادشاہ نے ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا اور اس نے اس برصغیر کی حکومت براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لی۔

برطانوی حکومت نے نرم حکمتِ عملی اختیار کی تاکہ ۱۸۵۸ء کی بغاوت کی تلخیاں مٹ جائیں۔

سرسید نے اسباب بغاوت ہند میں اس بغاوت کی وجہ سے سرکار اور رعایا کے مابین بے گانگی کو قرار دیا۔ اور بتایا کہ بغاوت اس لئے ہوئی کہ سرکار اور رعایا میں کوئی رابطہ نہیں نہ دونوں فریق مل کر بیٹھتے ہیں۔ نہ صلاح مشورہ ہوتا ہے۔ نہ سرکار رعایا کے نکتۂ نظر سے واقف ہے نہ رعایا سرکار کے نکتۂ نظر سے۔ گورنمنٹ نے سرسید کے اس خیال سے اتفاق کیا۔

۱۸۶۱ء میں انڈین کونسلز ایکٹ نافذ کیا۔ اس ایکٹ کی رو سے گورنر جنرل کی انتظامیہ کونسل میں دو اصلاحیں ہوئیں۔

۱۔ کونسل میں ایک پانچویں عام ممبر کا اضافہ ہوا۔ اس سے قبل صرف کمانڈر انچیف بطور خاص ممبر کونسل میں ہندوستانی نکتۂ نظر کی وضاحت کرتا تھا۔

۲۔ کونسل کے ممبروں کی تحویل میں محکمے دیئے گئے۔

البتہ گورنر جنرل کی قانون ساز اسمبلی میں!

۱۔ چھ سے بارہ تک ممبران کا اضافہ ہوا اور قرار پایا کہ ان میں سے کم از کم نصف ممبر غیر سرکاری ہوں گے۔ انہیں گورنر جنرل دو سال کے لیے مقرر کیا کریں گے۔



ان اصلاحات سے ہندوستانیوں کو خاص آزادی تو نہ ملی البتہ اتنا ضرور ہوا کہ!

۱۔ مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں میں غیر سرکاری ممبروں کو نشستیں مل گئیں۔

۲۔ ہندوستانی نثر نا قانون ساز اسمبلیوں میں نامزد ہونے لگے۔

۳۔ ملک کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہندوستانیوں کو ملکی معاملات میں مشاورت کا حق مل گیا۔

۱۸۷۶ء میں لارڈ لٹن گورنر جنرل بنے۔ انکے عہد کے پہلے دس سالوں میں ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے نتیجہ میں سرکار اور رعایا کے مابین تعلقات خوشگوار نہ رہے۔

۱۔ ۱۸۷۷ء میں سول سروس کے امتحان کے لیے عمر کی شرط اکیس سے گھٹا کر انیس کر دی گئی۔ تعلیم یافتہ طبقہ پر ضرب کاری لگی۔ سر سریندر ناتھ بینرجی کی انڈین ایسوایشن نے زبردست احتجاج کیا۔ ملک کے طول و عرض میں ناراضگی کے جلسے ہوئے۔

۲۔ ۱۸۷۸ء میں ورنیکلر پریس ایکٹ نافذ ہوا۔ اردو پریس پر پابندیاں لگیں انگریزی پریس آزاد رہا۔ البتہ ۱۸۸۲ میں لارڈ رپن نے یہ ایکٹ منسوخ کر دیا۔

۳۔ ۱۸۸۲ء میں لارڈ رپن کے عہد میں البرٹ بل پاس ہوا۔ ہندوستانی سیشن ججوں کو یورپین مجرموں کے مقدمات سننے کا حق مل گیا۔

۱۸۷۳ء سے برطانوی یورپین مجرم کے خلاف مقدمہ صرف یورپین مجسٹریٹ یا یورپین سیشن جج سن سکتا تھا۔ البرٹ بل کے خلاف ہندوستان کی برطانوی برادری نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ہندو تعلیم یافتہ طبقہ نے زبردست حمایت کی۔ گورنمنٹ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئی۔ یورپین مجرموں کو جیوری کا حق مل گیا۔ جس کے آدھے ممبر یورپین یا امریکن ہوں گے۔

اس سے ہندوستانیوں میں تنظیم کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ اگر یورپین برادری کے گنتی کے چند آدمی تنظیم کے بل بوتے پر گورنمنٹ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں تو کروڑہا ہندوستانی اپنی تنظیم کر کے کیا نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ۱۸۸۵ء میں سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگرس قائم کی گئی۔

# انڈین نیشنل کانگرس

انڈین نیشنل کانگرس قائم کرنے میں ایک نیک دل ریٹائرڈ افسر مسٹر ہیوم اور اس کے انگریز ساتھیوں کا بہت ہاتھ تھا۔ مسٹر ہیوم کا خیال تھا کہ اُس وقت ہندیوں کے مسائل صرف سوشل اور اقتصادی تھے اور وہ انڈین نیشنل کانگرس کا نصب العین صرف سوشل اور معاشی اصلاح قرار دینے کے حق میں تھا۔ مگر اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن چاہتے تھے کہ کانگرس ایسی ذمہ دار سیاسی جماعت ہو جو وفادار رہے گورنمنٹ برطانیہ کی کردار ادا کرے حزب اختلاف کا۔ وائسرائے کی رائے کو اپنایا گیا اور اس کے نظریے کو ہی کانگرس کا نصب العین قرار دیا گیا۔

انڈین نیشنل کانگرس کے بانیوں کا مقصد یہ تھا کہ کانگرس ہندوستان میں آباد تمام قوموں اور فرقوں کی مشترکہ سیاسی جماعت ہو۔ اور وہ ہندوستان میں رہنے والی ساری آبادی کی نمائندہ ہو اور ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کا بیڑا اٹھائے۔ خود کانگرس کا اپنا یہ خیال تھا کہ وہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے۔ گورنمنٹ بھی چاہتی تھی کہ انڈین نیشنل کانگرس ہندوستان بھر کی تمام جماعتوں۔ قوموں اور فرقوں کی واحد نمائندہ جماعت ہو اور ہندو مسلم اتحاد کی علامت اور ضمانت ہو۔

ہوا یہ کہ کوئی اور نمایاں کردار ادا کرنے سے قبل کانگرس نے اسمبلیوں اور ان کے دائرہ کار کی اصلاح اور وسعت کا بیڑا اٹھایا۔

کانگرس نے گورنمنٹ سے دو مطالبے کیے۔

۱۔ اسمبلیوں میں صرف وہ افراد لیے جائیں جو میونسپل کمیٹیوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں یونیورسٹیوں اور تجارتی ایوانوں کے نمائندہ ہوں۔

۲۔ گورنمنٹ کی ہر چھوٹی بڑی اسامی خواہ چپڑاسی کی ہو مقابلے کا امتحان لے کر پُر کی جائے

بظاہر کانگرس نے ان مطالبات کی وجہ اصلاح بتائی تاکہ اسمبلیوں اور گورنمنٹ محکموں میں وہ آدمی جائیں جو کام کرنے کے اہل ہوں۔

مگر مسلمانوں نے کانگرس کے اس نظریے کو منہ میں رام رام۔ بغل میں چھری قرار دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ تمام بلدیاتی اور رفاہی اداروں پر ہر طرف ہندو چھائے تھے۔ مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے۔

گویا کانگرس کی اصل نیت یہ تھی ہر طرف ہندو چھا جائیں۔ مسلمان کہیں کے نہ رہیں نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرس مسلمانوں کی ہمدردیاں کھو بیٹھی۔ وہ خالص ہندو جماعت بن کر رہ گئی۔ رہی سہی کسر ہندو جاتی نے پوری کر دی۔

## ۱۔ اردو ہندی تنازعہ

۱۸۶۷ء میں بنارس کے ہندوؤں نے تحریک چلائی کہ ہندی کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ کیونکہ ہندی ہندو اکثریت کی زبان ہے۔

اردو ہندو مسلم اتحاد کی علامت ہے مسلمان عموماً علی گڑھ طبقہ خصوصاً برافروختہ ہو گیا۔ علی گڑھ کے دانشوروں نے اردو ڈیفنس سوسائٹی قائم کی۔ کانگرس نے مہم چلائی کہ سرسید بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نظریات کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔

## ۲۔ تقسیمِ بنگال کے خلاف محاذ

بنگال بہت بڑا صوبہ تھا۔ اس کا انتظام کرنا ایک آدمی کے بس کا روگ نہ تھا۔ ۱۹۰۶ء میں حکومت نے چاٹگام۔ راج شاہی اور مالدا کو آسام کے ساتھ ملا کر مشرقی بنگال کا نیا صوبہ بنا دیا۔

ڈھاکہ صوبہ کا دارالخلافہ قرار پایا۔ یہ ایک انتظامی معاملہ تھا۔ مگر ہندو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ اس نئے صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ہندوؤں کو گوارا نہ تھا۔ کہ کہیں بھی مسلمانوں کی بالادستی ہو۔

اشتعال میں آکر ہندوؤں نے "بندے ماترم" کو اپنا قومی نعرہ بنالیا۔ "بندے ماترم" بنکم چندر چیٹر جی کے ایک ناول کی نظم کا مصرعہ ہے۔ آگے پیچھے کی عبارتوں کو ملاکر پڑھا جائے تو اس کے معنیٰ بنتے ہیں۔ "اے کالی دیوی تو ہماری ماتا ہے" "آ اور ظالم مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے"۔ قائدِاعظم نے اس بارہ میں نہرو جی کو خط لکھا تو جواب آیا کہ لوک گیت عوام کے جذبات کا بے ساختہ اظہار ہوتے ہیں۔ یہ حکم سے جاری یا بند نہیں ہوا کرتے۔ ایسے واقعات سے ہندو مسلم اتحاد کی اُمیدیں ختم ہو گئیں۔

مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ گو انڈین نیشنل کانگرس مسلمانوں کے حقوق کی ضمانت کا دم بھرتی ہے عملی طور پر وہ ہندوؤں کی بالادستی چاہتی ہے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ صرف اسلئے کرتی ہے کہ مظلوم مسلمان آہ بھی نہ بھر سکیں۔ دم گھٹ کر مر جائیں۔

فرقہ پرست انڈین نیشنل کانگرس نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیا کرنی تھی وہ تو قائم ہی اسلئے کی گئی تھی کہ مسلمانوں سے ہندوؤں کی ہزار سالہ محکومی کا انتقام لے اور مسلمانوں اور اسلامی عہد کے ہر نقش کو مٹانے کی ہر تجویز اور ہر حربہ کو بروئے کار لائے۔

مسلمان خوب جانتا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ ہندو مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ محکومی کا انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ انگریز بیرونی لوگ ہیں۔ وہ یہاں چند دنوں کے مہمان ہیں ہندوستان میں جونہی قومی شعور بیدار ہوا انگریز یہاں سے چلتے بنیں گے۔ جاتے وقت وہ لامحالہ ہندوستان کی باگ دوڑ اس قوم کے حوالے کر جائیں گے۔ جو تعداد میں زیادہ ہے۔ اور وہ ہندو جاتی ہے ہندو جاتی کے ہندو راج میں نہ مسلمان محفوظ ہوں گے۔ نہ اسلام ان کا مال۔ ان کی آبرو ان کی آزادی ان کی عزت ہر چیز خطرے میں ہو گی۔ ہندو مسلمان کو ہڑپ کر جائے گا۔

ہندوؤں کی خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں نے اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو ان میں گھل مل جائیں۔ برابر کی حیثیت سے نہیں۔ شودر کی حیثیت سے ذلیل غلام بن کر یہی احساس مسلمانوں کی علیحدہ اسلامی قومیت کا جواز بنا۔



چنانچہ مسلمانوں نے انڈین نیشنل کانگرس کو اپنی نمائندہ جماعت ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ہندوؤں میں مدغم ہونا نامناسب سمجھا۔ اپنی اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے انہوں نے اپنی علیحدہ تنظیم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

# مُسلم لیگ

۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے بعد ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقار الملک کی صدارت میں مجوزہ سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔

میاں محمد شفیع کی تجویز پر اس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔

اس تنظیم کے قیام کے محرک تین عوامل تھے۔

۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی مسلسل حق تلفی

۲۔ کانگرس کی فرقہ وارانہ ذہنیت

۳۔ مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت وہ یہاں بطور حکمران آئے تھے اور اسلامی تمدن اُنکا امتیازی نشان تھا۔

ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے قیام کے بعد تمام مسلمان زعما جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آئے تھے۔ اپنے اپنے صوبوں اور علاقوں کو واپس چلے گئے۔

پنجاب سے میاں محمد شفیع اور میاں محمد شاہ دین نے معہ چند دیگر ساتھیوں کے شرکت کی تھی میاں محمد شفیع کی پُرخلوص تمنا تھی کہ مسلم لیگ کو ملک کے کونے کونے میں پھیلایا جائے۔

# پنجاب صوبائی مسلم لیگ

ڈھاکہ سے واپس لوٹتے ہی میاں محمد شفیع نے پنجاب مسلم کی صوبائی شاخ قائم کی اور اس سلسلہ میں تلقین کی کہ مسلم زعما جو ہندوستان کے کونہ کونہ سے آئے ہوئے تھے اپنے اپنے صوبوں اور علاقوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کرکے اس تحریک کو صحیح معنوں میں ملکگیر تحریک بنائیں۔

اسی اثنا میں ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء کو شملہ میں ینگ مسلم ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں میاں محمد شفیع نے اپنا تاریخی خطبۂ صدارت دیا اور پُرزور الفاظ میں مسلمانوں

کو اپنی قومی زندگی کے ہر پہلو میں ضبط و تنظیم قائم کرنے کا درس دیا۔ اور واضح کیا کہ ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں آباد ہوں۔ ان کی تعداد میں فرق ہو۔ تمدن میں اختلاف ہو لٹریچر الگ الگ ہو۔ تاریخ اور ثقافت بھی جدا جدا ہوں رسم و رواج بھی اپنے اپنے ہوں، تہذیب و تمدن میں بھی ہم آہنگی نہ ہو۔ تو ایسی قوم جو ضبط و تنظیم میں عاری ہو یقیناً ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں۔ کمزور رہ جائے گی اور یہ پس ماندگی اس کی قومی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوگی۔ پس اس کے سوا، کوئی اور چارہ کار نہیں مسلمانوں کی ایک مستقل تنظیم قائم ہو جو ہمارے قومی حقوق کی حفاظت کرے آئندہ ترقی اور بہبود کی تجاویز سوچے اور انہیں عملی جامہ پہنائے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۰۷ء کو میاں صاحب کی قیام گاہ پر ایک ابتدائی جلسہ ہوا اور نو ممبران پر مشتمل کمیٹی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جو مجوزہ صوبائی شاخ مسلم لیگ کے قیام کے لیے ابتدائی مراحل کا انتظام کرے میاں صاحب خود اس کمیٹی کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ پنجاب کے ۲۵ بڑے بڑے شہروں میں باقاعدہ جلسے ہوئے۔ صوبائی مسلم لیگ قائم کرنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ ۳۰ نومبر ۱۹۰۷ء کو مسلم زعماء نے پنجاب کا وہ تاریخی اجلاس ہوا جس میں پنجاب صوبائی مسلم لیگ قائم کی گئی۔ گو یا کل مسلمانانِ ہند کی واحد سیاسی تنظیم مسلم لیگ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا بنیادی پتھر لاہور میں میاں محمد شفیع کی قیام گاہ متصل چیف کورٹ میں رکھا گیا۔ مسلم لیگ کے قائم ہونے سے مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم مل گیا۔ آخر اسی تنظیم نے ہندوستان کی غلام ملّتِ اسلامیہ کو آزادی سے ہم کنار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وطنِ عزیز پاکستان حاصل کیا جس کی آزاد فضاؤں میں ہم آج عزت آبرو اور آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اللہ کریم مملکتِ خداداد پاکستان کا حامی و مددگار ہو۔

آئندہ سیاسی رسہ کشی میں مسلمانوں کی وکیل آل انڈیا مسلم لیگ تھی۔ ہندوؤں کی انڈین نیشنل کانگرس۔



# ساورکر اور گاندھی

اس وقت مفکرین کا خیال تھا کہ اگر ہندو اور مسلمان باہم مل جائیں تو انگریز ہندوستان میں ایک دن نہیں ٹھہر سکتا۔ ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں ساورکر کی برملا اسلام دشمنی اور گاندھی جی کی گومگو پالیسی حائل تھیں۔

مولانا ظفر علی نے خوب کہا!

ہند میں بلائیں دو ہی تو ہیں
اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے
اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے۔

ہے لب پہ لفظ آزادی کا
اور دل میں شوقِ غلامی کا
اکھڑی تھی ہوا انگریزوں کی
ان دونوں نے پھر باندھی ہے

گاندھی جی اور قائداعظم کا موازنہ لوں کیا ہے!

# جناح اور گاندھی

جینا کی صدا اور ہے گاندھی کی کتھا اور
بطحی کی فضا اور ہے وردھا کی ہوا اور

ہے لطفِ جہاد اور اہنسا کا مزا اور

اس کا تو یہ نقشہ ہے کہ دل اور زباں ایک
اس کی یہ علامت کہ کہا اور کیا اور

نوٹ: درد ھا فلسفہ گاندھی کا مرکز تھا۔
اہنسا سے مراد ہے کسی جانور کو نہ ستانا۔ بظاہر یہ گاندھی کا مسلک تھا۔
گئو کو ستانا نہیں۔ مسلمان کو خون چوسے بغیر چھوڑنا نہیں۔)

## سوامی دیانند سرسوتی

ہندو مسلم اتحاد کے تمام امکانات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ذمہ دار سوامی دیانند سرسوتی ہیں۔ وہ ایسا ہندوستان چاہتے تھے جو خالص ہندوؤں کا ہو۔ اور جہاں صرف ہندومت جاری اور ساری ہو۔ ان کے ہاں باہر سے آئے ہوئے مذاہب اسلام اور عیسائیت کے لیے۔ ہندوستان میں قطعاً کوئی جگہ نہ تھی۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ۱۸۷۵ء میں بمبئی سے آریہ سماج قائم کی۔ اور زور شور سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چلائیں تاکہ ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر سے ہندو بنا کر اس برصغیر سے اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا یا جائے۔

۳ - حضرت مولانا مفتی مصطفٰے رضا خاں ایسے عالم باعمل نے اسلام کے تحفظ کے لیے کمر ہمت باندھی۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سیرت مطاہرہ کو مؤثر پیرایہ بیان کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں دل آویز انداز میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے اور اسلام کے دینِ حق اور دینِ فطرت ہونے کے دلائل اس خوبی سے واضح کرتے کہ غیر مسلم قطار در قطار اسلام میں داخل ہوتے۔



۷

شدھی اور سنگھٹن کی سازشوں کو اُمّتِ مسلمہ نے فتنۂ ارتداد قرار دیا۔

اور بقول ؎

عدو شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد

پورے اعتماد کے ساتھ اس چیلنج کو قبول کیا اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

## فتنۂ ارتداد کا سدِ باب

فتنۂ ارتداد کے روک تھام کے لیے سب سے پہلے امام اہل سُنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میدانِ عمل میں آئے۔

آپ نے سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں حبِ نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی قندیلیں روشن کیں۔ اُمتِ مسلمہ نے انہیں مجددِ ملت تسلیم کیا۔ آپ نے اپنے عقیدت مندوں اور اپنے خلفاء کو شمع رسالت پر مرمٹنے اور مرمٹ کر زندۂ جاوید ہونے کی تلقین کی۔

شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کے مقابلہ میں بریلی سے جماعت رضائے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ جماعت ۱۹۱۷ء میں بمقام بریلی قائم ہوئی اس کے قیام کا مقصد دینِ حق کے خلاف بڑھتے سیلاب کو روکنا اور اسلام کے فطری محاسن کو خوبی اور حسن کے ساتھ پیش کرنا تھا۔ تنظیم کے بانی اور روحِ رواں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تھے۔ اس کے بعد جماعت اشرفیہ حلقہ اشاعتِ حق اور انجمن خدام الصوفیہ نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام نے تبلیغ حق کے لیے رات دن ایک کر دیا۔

۱- شیخ طریقت حضرت شاہ علی حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم ضعیفی کے باوجود جواں مردی سے کام کیا۔ ان کے عزیز حضرت محمد شاہ محدث کچھوچھوی اس کارِ خیر میں ان کے دستِ راست رہے۔

۲ - حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے اپنے لاکھوں مریدوں اور عقیدت مندوں کو ناموسِ رسالت پر جان و مال قربان کر دینے کا حکم دیا۔

صدر الافاضل کی ایک تقریرِ دل پذیر کا ایک پیرا ملاحظہ فرمایئے۔

"دنیا کے مذاہب پر نظر ڈالیئے اسلام کے سوا، اور کوئی مذہب ایسا نہیں معلوم ہوتا جو دریا دلی سے انسان کو عزت دے سکے۔ اسلام بے شک اپنے پیروؤں کو بے دریغ عزت دیتا ہے۔ قومی اور نسلی نفرتوں کو مٹا کر سچی یگانگت اور پُر لطف محبت کا مزہ اسلام ہی میں ملتا ہے۔ آج ایک شودر اسلام لا کر شیخ کا معزز لقب پا سکتا ہے۔ اور بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کے ساتھ ایک دسترخوان پر بلکہ ایک پیالہ میں کھا سکتا ہے۔"

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان الفاظ میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

کھول دو سینہ میرا فاتح مکہ آکر    کعبۂ دل سے صنم کھینچ کر کردو باہر
پردے غفلت کے نگاہوں سے اٹھا دو یکسر    مجھ سیاہ کار پہ فرما دو عنایت کی نظر

نورِ ایماں سے مرا سینہ منوّر کردو
دل میں عشقِ رخِ پُر انوار کا جذبہ بھر دو

ہندوؤں کی بار بار فریب کاریوں سے تنگ آکر مسلمانوں کو تلقین فرماتے ہیں۔

"کب تک مار کھاؤ گے" اٹھو۔ جاگو"

"مسلمان بن جاؤ۔ سچے مسلمان سارا جہاں تمہارے سامنے آجھکے گا۔ دنیا میں تمہاری شوکت کے پھریرے لہرائیں گے۔ تمہاری عزت اور تمہارے اقبال کی صداؤں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھے گا۔ تمہارا شاندار گیا وقت پھر لوٹ آئے گا۔ تمہاری مردہ سطوت پھر جی اٹھے گی۔



اس سلسلہ میں مولانا صوفی احمد مختار میرٹھی۔ مولانا ابو البرکات سید احمد لاہوری اور سید عبدالعلیم میرٹھی کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ صوفی احمد مختار دلکش انداز میں مثنوی شریف پڑھتے۔ سید صاحب علم وعمل کے بحرِ بیکنار تھے۔ مولانا عبدالعلیم اسلام کی صداقتوں کو جدید تقاضوں کے مطابق بیان کرتے۔

اس ضمن میں مولانا غلام قطب الدین برہم چاری کو منفرد حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے سادھوؤں کے بھیس میں تبلیغ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

"جاء الحق وزھق الباطل"

حق آیا۔ باطل گیا۔

ہندوؤں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

چار لاکھ مرتد پھر سے مسلمان ہوئے ڈیڑھ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ ہندو کو مسلمان کرنے کے بعد سند جاری کی جاتی۔ سند کے چار حصے ہوتے، ایک حصہ اسلام قبول کرنے والے کو دیا جاتا۔ دوسرا صدر دفتر میں بھیجا جاتا۔ تیسرا مقامی ریکارڈ میں رکھا جاتا۔ چوتھے ہر نو مسلم کی چوٹی کاٹ کر لگائی جاتی۔ میں نے مولانا محمد قطب الدین برہم چاری کے پاس چوٹیوں سے بھرا ہوا ایک بڑا صندوق دیکھا عرض کیا حضور اسے کیا کروگے؟

فرمایا اس صندوق کو اپنے ساتھ قبر میں رکھواؤنگا۔

اللہ کریم پوچھے گا قطب الدین کیا لائے ہو۔ ؟

عرض کروں گا۔ مولا یہ صندوق!

شدھی کی تحریک ۱۹۲۳ء میں چلی۔ میں نے ۱۹۲۴ میں میٹرک پاس کیا۔ میرے کرم فرما ڈاکٹر اے۔ ڈی بھٹی مجھ سے دو سال پہلے میٹرک کر چکے تھے ہم دونوں آبائی وطن فرید کوٹ میں تھے۔

فرید کوٹ سکھ ریاست تھی مسلمان اقلیت میں تھے اور بہت پس ماندہ تھے شہر میں سکھوں کی دھرم شالہ تھی۔ سناتن دھرمیوں اور جینیوں کے اپنے مندر تھے۔ شدھی کے شیداؤں نے مسلمان آبادی میں آریہ مندر بنایا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے لگے۔

ہم اپنے ہاں پوری طرح مطمئن اور مستعد تھے۔ فتنۂ ارتداد کے لیے ہم نے انجمن شباب المسلمین قائم کی۔ میں اس انجمن کا سیکرٹری جنرل تھا بھٹی صاحب صدر تھے۔ میاں بدرالدین رنگ ریز۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ۔ ملک چراغ دین بھٹی ناظم بنے۔

اس وقت شیخ غلام محمد مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم اصلاح المسلمین کے قائد تھے۔

والدم بزرگوار قاضی محمد یسین امام۔ قاضی اور خطیب فرید کوٹ۔ مولانا محمد علی ارحم مولوی محمد صدیق بھٹی واعظین اور مبلغ تھے۔ مولوی عبدالحق۔ میر شہاب الدین خان محمد خان نعت خوان تھے۔ ہم نے بار بار سید علی حسین اشرفی، امیر ملت جماعت علی شاہ علی پوری صوفی احمد مختار میرٹھی۔ سید ابوالبرکات محمد احمد لاہوری پیر ظہور شاہ گجراتی۔ علامہ علاوالدین صدیقی مولانا معوان حسین لاہور۔ مولانا اسرارالحق طوطیٔ ہند۔ مولانا محمد یسین جڑیا کوٹی مولانا اختر حسین مولانا نواب الدین سنکوہی، عبدالمجید مرزا مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی مولانا امیرالدین جلال آبادی اور با با خلیل داس۔ مولانا بہاؤالحق قاسمی۔ مولانا محمد بخش مسلم۔ مولانا غلام مرشد۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مولانا احمد یار بہاول پوری۔ قاری احمد حسین فیروز پوری۔ مولانا سلیم اللہ لاہوری جماعت احمدیہ کے مولوی جلال الدین۔ اور حافظ روشن دین کو بلایا۔ اور چپے چپے پر تبلیغی جلسے کیے۔

آخر مایوس ہو کر ہندو اور ہندو پریس اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بے حیائی سے دریدہ دہنی پر اتر آئے۔ تو جوشیلے نوجوانوں نے کتاب "تحفۃ الہند" سے ڈھال کا کام لیا۔ کوئی دو سو صفحوں کی اس کتاب میں ہندو تہذیب اور تمدن کا بیان ہے۔ ان کے لغویات اور کفریات کی نشاندہی ہے۔ اسلام کی خوبیوں کا ذکر ہے اعتراضات کا جواب ہے۔ رسالہ کتھا سوتی منظوم ہے۔

جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

شیخ سلیم نے کتھا بکھانی راکھا نام سوتی
دیکھو یہ پنڈت کی باتیں ساری کر یہ کھوتی
کہو یہ کون دھرم ہے۔
سب دیوؤں سے بڑے مہادیو جٹا سے نکلی گنگا
اور دیووں کی مورت پوجیں ان کا پوجن لنگا



کہو یہ کون دھرم ہے۔
دروپدی رانی مہا بھوانی ارجن جی کی ناری
پانچوں پانڈے اسکو بھوگیں اپنی اپنی باری
کہو یہ کون دھرم ہے

یہ کتاب مولانا عبید اللہ نومسلم ملیر کوٹلوی کی تصنیف ہے۔
نوجوانوں نے اس کتاب کے نسخے منگوائے۔ آپس میں بانٹے۔ بہتوں نے ساری کتاب زبانی رٹی۔ ہزاروں نومسلم اسے پڑھ کر مسلمان ہے

قرآن حکیم میں ہے مسلمان دوسروں کے خداؤں کو برا نہ کہیں۔ وہ اللہ کو برا کہیں گے جب ہندوؤں نے جرڑپٹ۔ رنگیلا رسول ایسی فحش کتابیں لکھنے میں پہل کی تو جواب میں تحفۃ الہند ایسی کتابیں مقبول ہوتیں۔ فنِ مناظرہ میں یہ بہت اچھی کتاب ہے گوجرانوالہ کے مکتبہ مدنیہ نے شائع کی ہے
مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت انجمن اصلاح المسلمین تھی تبلیغی جماعت شباب المسلمین۔ میرے والد صاحب قاضی محمد یسین اصلاح المسلمین کے صدر امام شہر تھے۔ میں شباب المسلمین کا سیکرٹری جنرل تھا۔ ملک اے ڈی بھٹی صدر تھے۔ ہماری اپنی پالیسی یہ تھی کہ۔

"خود رہو اوروں کو رہنے دو۔"

چنانچہ فرید کوٹ میں کبھی ہندو مسلم فساد رونما نہیں ہوا۔ ہمیشہ امن و امان قائم رہا۔ رواداری اور امن پسندی کی یہ فضا ۱۹۴۷ء تک قائم رہی۔ اور تقسیم ہند کے میں بھی فرید کوٹ میں ماحول سازگار اور پر امن رہا۔

البتہ تبلیغ کے سلسلہ میں مسلمان بے باک اور مستعد رہے۔ شدھی کی تحریک نے زور پکڑا اور ہندو چیلنج دینے لگے تو مسلمانوں نے اس چیلنج کو حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ قبول کیا۔ فرید کوٹ کے آریہ مندر میں ایک فیصلہ کن مباحثہ ہوا۔
اسمیں حافظ روشن دین نے تن تنہا ویش بندھو۔ رام چندر۔ دھرم بھکتو وغیرہ آریہ پرچارکوں کو ایسی شکست فاش دی کہ انہیں منہ چھپانے کو جگہ نہ ملی۔ پنڈت رام چندر کہہ بیٹھے حافظ صاحب آپ کی جنت میں حوریں بھی ہیں۔ غلمان بھی یہ جنت ہے یا بازار حسن۔؟

حافظ صاحب نے نہایت متانت سے جواب دیا پنڈت جی آپ کے گھر میں آپ کے والد ماجد بھی ہیں ۔ والدہ ماجدہ بھی۔ بھائی جان بھی ہیں۔ ہمشیرہ محترمہ بھی۔ میری زبان کو زیب نہیں دیتا کہ عرض کروں۔ آپ خود فرمائیں کہ آپ کے معیار کے مطابق آپ کا گھر کیا ہے پنڈت جی نے پینترا بدلا اور کہا حافظ صاحب "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" آپ کا اللہ سب کچھ کر سکتا ہے زنا کیوں نہیں کرتا؟ حافظ صاحب نے جواب دیا آپ پاخانہ کھا سکتے ہیں ۔ کھاتے کیوں نہیں؟ میرا اللہ ہر وہ کام کر سکتا ہے جسے کرنا چاہے ۔ وہ پاک ہے ۔ قدّوس ہے ہر عیب سے مبّرا ہے ۔ عیب نہ کرنے میں نقص اُس قادرِ قدیر کی ذاتِ والا صفات میں ثابت نہیں ہوتا۔ نقص خود عیب میں ہے ۔ جو اس قابل نہیں کہ اس کی نسبت کا اطلاق اللہ کریم کی ذات اولا سے ہو سکے جن کی شان یہ ہے کہ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی الحشر ۵۹ ! ۲۳) اس کے ہیں سب اچھے نام' اَللہ کی ذات پاک میں وصف ہی وصف ہیں اسمیں عیب کا گزر نہیں ۔

اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں اپنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی فتنۂ ارتداد کا طوفان فرید کوٹ میں رائی بھر اثر انداز نہ ہوا ایک بھی مسلمان مرتد نہ ہوا سیکڑوں ہندو اسلام کی طرف مائل ہوئے ۔

برطانوی سامراج ۔ ہندو اکثریت سِکھ شاہی مسلمانوں کی پس ماندگی اور دیگر طرح طرح کے موانعات کے باوجود بہت سے ہندوؤں نے علی الاعلان اسلام قبول کیا ۔ مثال کے طور پر چند ایک کا ذکر کافی ہے ۔

ایڈیٹر جینتی رام عالم باعمل تھے ۔ ان کی تالیف فلوک فریدی پنجاب یونیورسٹی کے پنجابی امتحان کے لیے نصابی کتاب رہی ہے ۔ کوٹکپورہ کے نزدیک قصبہ سراواں میں ان کا مزار ہے سائیں توکل شاہ انبالوی کے مسلک کے شیدائی تھے ۔

۳ ۔ جگ ویر سنگھ ۔ اسلامی نام ولی محمد ۔ فرید کوٹ میں انسپکٹر پولیس تھے ۔ معروف کھلاڑی تھے ۔ بورے والہ میں ابدی نیند سو رہے ۔ اوکاڑہ اور ساہیوال میں اکثر مجھ سے ملتے رہے پہلے بورڈر کے قریب آباد ہوئے ۔ پھر ہم نے نواب صاحب ممدوٹ سے مل ملا کر ان کے لیے بورے والہ میں مکان اور اراضی الاٹ کروائی ۔

# سردار ملویندر سنگھ

۲ ۔ ایک معزز سکھ زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے ۔ فرید کوٹ کے شاہی محلوں میں پلے ۔ وہیں تعلیم حاصل کی ۲۰ ۔ ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی ارم کی تلقین سے مسلمان ہوئے ۔ اسلامی نام حبیب الرحمٰن رکھا گیا ۔

مولانا محمد علی اُن دنوں فرید کوٹ میں خطیب تھے اور انجمن شباب المسلمین کے جلسوں میں حق تبلیغ ادا کیا کرتے تھے ۔

حبیب الرحمٰن صاحب نے ۱۹۲۴ء میں حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ حضرت ان پر بے حد شفقت فرماتے ۔

تشکیل پاکستان کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن حضرت رائے پوری کے ہمراہ لاہور آئے صوفی عبد الحمید کی کوٹھی پر قیام تھا ۔

صوفی غلام محمد فرید کوٹی دھرم پورہ والوں نے مولانا حبیب الرحمٰن کے لاہور آنے کی اطلاع دی ۔ میں اور برادرِ عزیز صوفی محمد محی الدین ۔ صوفی غلام محمد کے ہمراہ صوفی عبد الحمید کی کوٹھی پر گئے ۔ یہ نہایت مبارک ملاقات تھی ۔ فرید کوٹ کی پرانی یادیں نظروں کے سامنے آگئیں ۔

مولانا حبیب الرحمٰن ماشاءاللہ بڑے خوب رو اور خوش خو سجیلے نوجوان تھے ۔ نہایت خندہ پیشانی سے بغل گیر ہوئے ۔

مولانا محمد علی ارم اس وقت اپنے وطن مالوف نرپٹر شریف رجب پور جا چکے تھے ۔ کئی گھنٹے تک ہم سب حضرت مولانا رائے پوری کی مجلس میں رہے ۔

مولانا حبیب الرحمٰن کو خود تبلیغ اسلام کا بے حد شوق تھا ۔ وہ دل و جان سے ملّت اسلامیہ کی اصلاح اور فلاح کے خواہاں تھے ۔ انہوں نے حزب الانصار قائم کی ۔ کہ یہ سیاسی تبلیغی تنظیم تھی مقصد یہ تھا کہ ملک کی مکمل آزادی کے لیے بھرپور کردار ادا کیا جائے ۔

حضرت رائے پوری نے ان کی اِس مساعی کو سراہا اور حزب الانصار کی سرپرستی قبول فرمائی ۔

اس سلسلہ میں میرے پیرو مرشد حضرت شاہ محمد اسماعیل بخاری (المعروف حضرت کرماں والے) قطب دوراں حضرت میاں شہاب الدین چشتی (پنڈی بلوچاں۔ بھارت) حضرت صوفی بابا بدر الدین شیر خاں والا بھارت) مست قلندر بابا عمر دین سلطان خان والا بھارت) حافظ شبیر محمد ابنالوی۔ حضرت پیر غوث محمد چلہ بابا شکر گنج) مولانا محمد علی ارم ۔ والدم بزرگوار قاضی محمد یٰسین قاضی۔ امام و خطیب فرید کوٹ کی روحانی برکات ہمارے شامل حال رہیں۔ اللہ کریم ان ہستیوں کو غریق رحمت کرے۔

۱۸۷۶ء میں کلکتہ میں بابو سریندر ناتھ بینرجی نے انڈین ایسوسی ایشن قائم کی تاکہ تعلیم یافتہ ہندو طبقہ کو جدید علوم اور سیاست کے نئے تقاضوں کی طرف رغبت دلائی جاتے۔

یہ ایسوسی ایشن انڈین نیشنل کانگرس کی پیش خیمہ بنی۔ البتہ مسلمان اس سے الگ رہے۔

۱۸۷۷ء میں امیر علی نے کلکتہ میں ہی محمڈن ایسوسی ایشن کی بنا رکھی اس مقصد کا مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ کو ملک و ملت کے لیے تعمیری کام کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا۔

یہ ایسوسی ایشن آل انڈیا مسلم لیگ کی پیش رو ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی تعصب نے سیاسی رسہ کشی کا روپ دھار لیا۔

سیاسی میدان میں کانگرس ہندو جاتی کی وکیل بن گئی۔ گاندھی جی اور پنڈت نہرو اس کے کرتا دھرتا تھے۔ لیگ امتِ مسلمہ کی وکالت کرنے لگی۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم اس کے راہ نما تھے۔

# فرقہ وارانہ تناسب

پہلی جنگ عظیم میں ہندوستانیوں نے گورنمنٹ برطانیہ کی قابلِ قدر خدمت کی۔ گورنمنٹ کا وعدہ تھا کہ ہندوستانیوں کی وفاداری کا صلہ حق خود اختیاری "سلیف گورنمنٹ" کی صورت میں دیا جاتے چنانچہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو کچھ حقوق دینا چاہتی تھی۔ مگر ہندو مسلم اختلاف اس راستہ میں حائل تھے۔ آخر فیصلہ کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک اس کانفرنس کے تین اجلاس ہوئے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ کانگرس نے پہلے اجلاس میں شرکت ہی نہ کی بلکہ سول نافرمانی کی تحریک چلائی۔ مسلمان اس تحریک سے علیحدہ رہے۔ آخر ارون گاندھی سمجھوتہ کے مطابق کانگرس نے یہ تحریک ختم کر دی۔ کانفرنس کا دوسرا اجلاس بھی ناکام رہا۔



گاندھی جی اکیلے کانگرس کے نمائندہ تھے۔

گاندھی جی ہر معاملہ کو التوا میں ڈالنا چاہتے تھے۔ مسلمان زعما فوری تعفیہ پر زور دیتے تھے۔ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہ آتا تھا۔

آخر گورنمنٹ نے اِس پیچیدہ مسٔلہ کو حل کرنے کے لیے فرقہ وارانہ تناسب کا اصول نافذ کر دیا ہر قوم اور ہر فرقہ کو اس کی آبادی کے متناسب حقوق دینے کا فیصلہ کیا۔ صوبائی اسمبلیوں میں مختلف اقوام کو نمائندگی دی گئی۔ علیحدہ علیحدہ حلقہ ہائے نیابت برقرار رکھے گئے۔ مسلمان اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو یورپین آبادی کو بنگال اور آسام میں سکھوں کو پنجاب اور صوبہ سرحد میں ہندوؤں کو سندھ اور صوبہ سرحد میں تحفظات دیتے گئے۔

ہندو اکثریت کو چاہیئے تھا کہ شریف ہمسایوں کی طرح "خود رہو اور دوں کو رہنے دو" کے اصول پر عمل کر کے فرقہ وارانہ تناسب کے فارمولے کو قبول کرتی اور باقی اقلیتوں کے بارہ میں رواداری اور فراخ دلی سے کام لیتی۔ مگر اس کے سر پر اکثریت کا بھوت سوار تھا۔ اس نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا گھناؤنا منصوبہ بنانے کی ٹھانی۔ ۱۸۷۵ء میں سوامی دیا نند نے بمبئی سے آریہ سماج کی بنیاد رکھ دی۔

# آریہ سماج

جیسا کہ بیان ہوا ۱۸۷۵ء میں پنڈت دیا نند نے بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی یہ تحریک ویسے تو اسلام کے زیر اثر سناتن دھرم کے دقیانوسی نظریات کے خلاف بغاوت تھی مگر مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی ازلی دشمنی نے اسے اصلاحِ مذہب کی تحریک کی بجائے اسلام اور مسلم دشمن تحریک بنا دیا۔

دیا نند نے ایک کتاب ستیارتھ پرکاش لکھی۔ اس کے چودھویں باب میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جی بھر کر زہر اگلا۔ نیز جابجا جلسے کر کے دینِ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دریدہ دہنی شروع کی صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ستیارتھ پردش کا مسکت جواب دیا۔

اسکے علاوہ دہلی سے اخبار تیج نکالا جس کا کام اسلام اور مسلمانوں پر حملے کرنا تھا۔

اخبار گرید گھنٹال جاری کردایا جس کا مقصد مسلمان بزرگوں پر ناپاک حملے کرنا تھا۔

اپنے ایک چیلے سے چرچڑے نامی کتاب لکھوائی جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام کی دل کھول کر توہین کی۔

مغل شاہزادیوں کے بارے میں فحش ڈرامے اور ناول لکھے اور اسٹیج کرنے کی تحریک چلائی۔

مسلمانوں کو ناموس رسالت کے لیے مرمٹنا اور جان دے کر جام شہادت نوش کرنا آتا ہے آخر دہلی کے قاضی عبدالرشید نے ۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اور ۱۹۲۷ء میں سردار جام شہادت نوش کیا۔

## خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تحریک شدھی میں سوامی شردھانند۔ پنڈت کالی چرن۔ پنڈت رام چندر اور دھرم بھکشو وغیرہ پیش پیش تھے۔

اس کے مقابلہ میں سب سے پہلے بریلی سے جماعت رضائے مصطفیٰ میدانِ عمل میں آئی اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اس جہاد میں ہمہ تن معروف ہو گئے۔

ہندو مسلم اتحاد بارے یوں فرماتے ہیں۔ ہندو امام بنے ہوئے ہیں۔ آگے آگے ہیں۔ مسلمان آمین کہنے والوں کی طرح ان کی صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں یہاں تک پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار اپنا رہے ہیں۔ لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔ مسلمانو! ہوشیار دولت اسلام کی نگہبانی کرو۔ جو کوشش کرو اپنے دین کو محفوظ کرکے کرو۔ ہر قوم اپنے امتیازات کی بدولت زندہ ہوتی ہے چاہیے کہ مسلمان بھی اسلامی اقدار کی پوری طاقت سے حمایت اور حفاظت کریں۔

## گئورکشا

۱۸۸۲ء میں سوامی دیانند نے گئورکشا سوسائٹی قائم کی اور ہندوؤں کو اس بنا پر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا کہ وہ گائے کو ذبح کرتے ہیں۔ اس نے بے شمار ہندوؤں کے دستخط کرا کے



گورنمنٹ کو میموریل بھیجا کہ گاؤ کشی کو قانوناً بند کیا جائے۔ اور تو اور گئورکشا کے سلسلہ میں خود گاندھی جی کا نظریہ ان کے اظہار خیال ۱۹۱۸ء کے مطابق یہ تھا۔

(ایک بھی ہندو) ہندوستان کے طول و عرض میں نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤ کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو ہندو مت عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤ کشی بند کر دیں۔"

سوامی دیانند زیادہ دیر زندہ نہ رہا۔ تاہم اس اس کے اسلام دشمن اقدام نے ہندو مسلم فسادات کی بنا رکھ دی۔

۱۹۹۰ء میں تلک نے گئورکشا کا نام لے کر زور شور سے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔

چنانچہ ۱۹۱۷ء میں بقر عید پر آرہ شاہ آباد وغیرہ اور ۱۹۱۸ء میں کٹار پور میں خون ریز فسادات ہوئے۔

آج بھی بھارت میں فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔

## ذبیحۂ گاؤ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی اور بلند پایہ رسول ہیں۔

ہر نبی مقدم طور پر لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کیلئے طور پر تشریف لے جانے لگے تو اپنی قوم سے وعدہ لیا کہ دینِ حق پر قائم رہنا۔ مگر آپ کے بعد قوم نے یہ وعدہ بھلا دیا۔ سامری کے بہکانے سے اس کے بتاتے ہوئے بچھڑے کو پوجنے لگے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے سمجھایا کہ لوگو!

اِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ

بے شک ہمارا رب تو رحمٰن ہے۔

قوم نے جواب دیا۔

لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰکِفِیْنَ

(طٰہٰ ۲۰ ! ۸۸)

ہم تو اس پر آسن مارے جمے رہیں گے۔

(یعنی گوسالہ پرستی پر قائم رہیں گے)

گوسالہ پرستی گویا اوہام جہالت اور بربلا شرک کی علامت بن گئی۔

اسلام آیا ہی اس لیے ہے۔ کہ لوگوں کو اوہام جہالت اور شرک سے نجات دلائے اس لیے

اسلام نے گاؤ پرستی کی بجائے ذبیحہ گاؤ کو اپنایا۔

ذبیحۂ گاؤ نے اس طرح سے شعائر اسلام کی حیثیت اختیار کی۔ گئو رکشا کو ہندوں نے خوامخواہ دھرم کا مسئلہ بنا لیا۔ ۱۹۲۱ء میں ڈاکٹر لونجھے نے کانپور سے گائے کی قربانی کی تحریک چلائی اور ہندوؤں سے کہا تھا کہ یہ قربانی ہی ہے جس کے طفیل برسوں حکومت ان کے ہاتھ میں رہی دو ہزار سال قبل ہندو اپنے مذہبی اصول کے تحت گائے کی قربانی اس کثرت سے کیا کرتے تھے کہ ان کے خون سے ندیاں سرخ ہوتی تھیں۔ غالباً جین مت اور گوتم بدھ کے زیر اثر ہندوؤں نے قربانی کی رسم کو ترک کر دیا۔

اسلام دشمنی کی وجہ سے ہندوؤں نے ذبیحہ گاؤ کے خلاف گئو رکشا کی تحریک چلائی۔

ہندوؤں کے لیے گائے محبوب ہے تو مسلمانوں کے لیے اس کی قربانی محبوب ہے۔

چاہیئے یہ تھا کہ گاندھی جی ہندوؤں سے کہتے کہ مذہبی قربانی کو پھر سے جاری کریں اس کے برخلاف انہوں نے مسلمانوں کو کہا کہ وہ ذبیحہ گاؤ کے دینی شعار کو ترک کریں یہ ہندو اکثریت کا مسلمان قوم پر ظلم نہیں تو کیا ہے۔

گئو پوجا کے بعد اوہام جہالت اور برملا شرک کی دوسری علامت سورج پوجا ہے۔

اسلام نے طلوع زوال اور غروب کے وقت نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ ان اوقات میں آفتاب خاص ہیبت میں ہوتا ہے۔ اور سورج کے پجاری انہی اوقات میں اس کی پوجا کرتے ہیں۔

نماز ان اوقات میں ادا کی جاتی ہے جن میں آفتاب تاب کی بجائے انکساری کی حالت میں ہوتا ہے۔ آفتاب روشنی۔ حرارت اور توانائی کا سرچشمہ ہے۔ مگر وہ مخلوق ہے۔ اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ سجدہ صرف خالق کے لیے ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت کے لیے مردِ میدان بن کر میدانِ عمل میں آئے۔ اس جہاد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے!



آپ نے!

۱۔ ستیارتھ پرکاش کا مسکت اور مدلل جواب دیا۔

۲۔ عیسائیوں اور آریوں سے نہایت کامیاب مناظرے کیے۔

۳۔ رسالہ السواد الاعظم جاری کیا۔ اور دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دیا۔

۴۔ ہندوستان کے طول و عرض خصوصاً المورڑہ۔ نینی تال۔ ہلدوانی وغیرہ پہاڑی علاقوں کا طوفانی دورہ کر کے تقریر و تحریر کے ذریعے اسلام کے سچے پیغام کی نشر و اشاعت کی۔

۵۔ پھیری والوں کے بھیس میں اپنے رضا کار گھر گھر بھیج کر رشد و ہدایت کی قندیلیں روشن کیں۔

۶۔ بریلی میں جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کر کے فتنۂ ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

۷۔ آگرے میں مستقل قیام کر کے شردھانند کے گھناؤنے منصوبوں کا سدِ باب کیا۔

سوامی دیانند کے مقابلہ کے سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ دیانند کے پاس بے پناہ سرمایہ تھا۔ بے شمار سیوک تھے۔ وسیع وسائل تھے۔ پریس تھا جو اس کی ہر بات کو خوب پھیلاتا۔ مسلمان اُس وقت منظم نہ تھے۔ ان میں سیاسی شعور نہ تھا نہ کسی بلند پایہ قائد کی راہ نمائی میسر تھی۔ مولانا تن تنہا تھے۔ ان کی طاقت اور ان کا وسیلہ صرف جوشِ ایمان تھا۔ بھُنے چنوں کا تھیلا اور پینے کے پانی کا مشکیزہ کاندھوں پر اٹھائے ہوئے وہ دیانند کا تعاقب کرتے۔ جہاں وہ محفل سجاتا وہیں جا دھمکتے۔ نعرہ حق بلند کرتے اور اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتے۔

۱۹۲۵ء میں آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی صد برسی ہوئی۔ ہندوستان کے کونے کونے سے کٹر ہندو جمع ہوئے۔ سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ سوامی دیانند کے ارادوں کو صحیح معنوں میں پورا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے۔ شدھی کے متوازی سنگھٹن کی تحریک چلائی گئی۔ سنگھٹن کا مقصد یہ قرار دیا گیا کہ ہندوؤں سکھوں اور بدھوں کو باہم مل کر مسلمانوں کو ہندوستان سے ختم کریں۔ اور برصغیر پاک ہند میں ایسی حکومت قائم کریں جس کی بنیاد مندرجہ ذیل اصولوں پر ہو!

۱- ایک وطن (پاک و ہند کی کل سرزمین میں)

۲- ایک قوم "ہندوستانی"

۳- ایک مذہب ( سناتن دھرم )

۴- ایک زبان ( ہندی )

۵- ایک تہذیب (ہندو مت)

۶- ایک آئین (فلسفہ گاندھی)

شدھی کی تحریک کو لالہ منشی رام شردھانند نے آگے بڑھایا۔

سوامی شردھانند ترکِ موالات میں مسلمانوں کے ساتھ رہا۔ مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کے راگ الاپتا رہا۔ جب کچھ مقام حاصل کر لیا تو ۱۹۲۳ء میں اپنے اصلی روپ میں سامنے آیا۔

اس نے۔

۱- ۱۹۲۳ء میں شدھی کی تحریک چلائی اور اسمیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۲- سنگھٹن کی تحریک زور شور سے چلائی اور عظیم تر ہندو قومیت کا تصور دیا۔ جس کا مدعا یہ تھا کہ صوبہ سرحد اور کابل کو فتح کر کے وہاں کے مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے۔

سنگھٹن کے مقاصد لالہ ہردیال کے اپنے الفاظ میں یہ تھے۔

۱- ہندو سنگھٹن

۲- ہندو راج

۳- شدھی مسلمانوں کو پھر سے ہندو بنانا۔

۴- افغانستان اور صوبہ سرحد کو ختم کرنا اور وہاں کے مسلمانوں کو ہندو بنانا۔

ظاہر ہے کہ شدھی، اور سنگھٹن کی اسلام دشمن سازشوں کا مقصد یہ تھا کہ اس برصغیر سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔



گاندھی جی۔ پنڈت نہرو اور دیانند و شردھانند ایسے گھاگ شاطروں کو منہ کی کھانی پڑی اور انہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اسلام کے پیرانِ طریقت کے عقیدت کیشوں کی تعداد کئی لاکھ نہیں۔ بلکہ کروڑوں ہے برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں ان کے عقیدت کیش اپنے مرشدوں کے دو قومی نظریہ کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہے۔

میں نے اور میرے احباب نے حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب سے ہی مسلم لیگ کا مسلک اختیار کیا۔ اور اس نظریہ کی نشر و اشاعت میں ہر خطرے کو خوش آمدید کہا۔ فرید کوٹ سکھ ریاست تھی۔ مسلمان اقلیت میں تھے اور بہت پس ماندہ تھے۔ تاہم ہم نے اپنے چوک کا نام پاکستانی چوک رکھا۔ اس نام کا بورڈ آویزاں کیا۔ اس وقت یہ بہت بڑی جسارت تھی۔

میرے والد بزرگوار قاضی محمد یسین نے امام احمد رضا سے فتویٰ منگایا اور کئی ہزار کاپیاں چھپوا کر تقسیم کیا۔ اس فتوے میں درج تھا کہ مسلمانوں کے لیے کانگرس میں شامل ہونا۔ حرام ہے۔ وطن کی آزادی کے لیے مسلمان ہندوؤں میں مدغم ہونے کی بجائے اپنی علیحدہ تنظیم کریں۔ اس اشتہار کا عنوان تھا۔

مسلمانو! کانگرس سے بچو!

یاد رہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں سُنی علماء تو متفقہ طور پر قائداعظم کے ہم نوا تھے۔ اکابرین دیوبند کا بھی بڑا طبقہ ان کے ساتھ تھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ظفر احمد انصاری نے تقریر اور تحریر کے ذریعے نظریہ پاکستان کی تائید اور حمایت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۱۹۳۶ء میں مولانا اشرف علی تھانوی نے مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا۔

۱۹۳۹ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ دہلی جا کر قائداعظم سے ملے۔ ۱۹۴۲ء میں وہ باقاعدہ طور پر مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔

۱۹۴۰ء میں علماء اہلِ سنت کی تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں کئی ہزار علماء اور لاکھوں عوام نے قرار داد پاکستان کی زبردست حمایت اور تائید کی ظاہر ہے کہ قائداعظم کی استقامت مسلمانانِ ہند کی پرجوش حمایت پر مبنی تھی۔

# مولانا محمّد قطبُ الدّین برہم چاری

مولانا برہم چاری کی آواز گرجدار اور دل نواز تھی۔ الفاظ کی شوکت اور ہم معنی الفاظ کے گلدستے اِس خوبی سے باندھتے کہ سامعین پر وجد طاری ہو جاتا۔ اس فن میں لاثانی ہیں۔ ان کے بعد یہ رنگ میں نے کسی قدر صاحب زادہ فیصل الحسن میں دیکھا ہے۔ یا مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔ فرید کوٹ میں مولانا برہم چاری نے وعظ شروع کی تو لوگ عش عش کر اٹھے۔

مولانا علم الدّین اور صوفی غلام قادر ملازم تھے۔ ملازمتیں چھوڑ کر مولانا کے ساتھ دہلی چلے گئے دونوں میرے دوست تھے۔

میں نے فرید کوٹ میں انجمن اصلاح المسلمین قائم کی اور تعاون کی غرض سے انہیں اطلاع دی۔ اور بلایا۔ چند ہفتوں کے بعد دونوں واپس آ گئے۔ صوفی غلام قادر فیروز پور چلے گئے اور اسلامیہ ہائی سکول فیروز پور چھاونی میں بطور ہیچر ملازم ہو گئے۔ ان دنوں جناب مولانا محمد سعید شبلی بھی اُسی سکول میں تھے۔

مولانا علم الدّین ہمارے ساتھ شباب المسلمین کے سٹیج پر تبلیغ کرتے تھے۔ اللہ کریم جزائے خیر دے۔

مولانا محمد سعید شبلی ساہیوال میں مولانا علم الدّین اوکاڑہ میں۔ اور صوفی غلام قادر لالہ موسیٰ میں واصل حق ہو چکے ہیں۔ اللہ کریم غریقِ رحمت کرے۔

# شانِ رسالتؐ میں گستاخیاں

شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں میں بری طرح ناکام ہونے کے بعد ہندو مایوسی کے عالم میں تخریب کاری اور گستاخیوں پر اتر آئے۔



اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اگلنے کی ایک گہری اور وسیع سازش بپا کی گئی۔ دیانند اور شردھانند کے چیلے چانٹے ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے گندے جوہڑ کے برساتی مینڈکوں کی طرح یک لخت ٹرٹر کرنے لگے۔

ترکِ اسلام تہذیبِ اسلام۔ آریہ مسافر جالندھر۔ آریہ مسافر میگزین مسافر براج آریہ پتر بریلی ستیارتھ پرکاش وغیرہ میں دل کھول کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف زہر اگلا گیا مسلمانوں کو شمعِ رسالت پر پروانہ وار جان قربان کرنا آتا ہے۔ آخر شردھانند کو قاضی عبدالرشید نے تہِ تیغ کیا۔ چھولا نا تھ سین کو عبداللہ اور امیر احمد نے قصور کے پالامل کو محمد صدیق نے کراچی کے نتھو رام کو غازی عبدالقیوم نے۔

## مہاشہ راج پال

(ب)

لاہور میں شردھانند کا چیلا مہاشہ راج پال تھا۔

اس نے ۱۹۲۹ء میں "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر اپنے خبثِ دل کی بھڑاس نکالی کتاب نہایت دل آزار تھی۔ خطیبوں نے حسب معمول خطبے دیئے۔ عوام نے جلسے کئے مگر بے سود کوئی مطلب حل ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ ساری ملتِ اسلامیہ پریشان تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ اکثریت ہندو کی تھی۔ راج انگریز کا۔ اللہ کریم نے صرف علم الدّین کو صحیح انداز فکر دیا۔ علم الدّین نہ مولوی تھا۔ نہ وکیل۔ اس نے دل سے فیصلہ دیا کہ "راج پال واجب القتل ہے" اس کے ضمیر نے جھنجوڑا کہ علم الدّین گستاخِ رسول کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی سعادت تم حاصل کرو۔ دیکھو جلدی کرو۔ کوئی اور سبقت نہ لے جائے۔"

مہاشہ راج پال انارکلی میں ہسپتال روڈ پر عشرت پبلشنگ ہاؤس کے سامنے اپنی دکان پر بیٹھا کرتا تھا دکان کے اوپر ہندو روزنامہ "گورو گھنٹال" کا دفتر تھا جس کے مالک شام لال کپور تھے۔

## غازی علم الدّین شہید

علم الدّین میاں طالع مند کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ طالع مند نہایت شریف مگر غریب آدمی تھے۔ برادری کا پیشہ نجار تھا۔ لاہور کے محلہ سری فروشاں میں رہتے تھے۔

علم الدین ۴ دسمبر ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے پاس اس وقت صرف بارہ آنے تھے۔ انہوں نے چونی اپنی بھابی سے لی۔ آتما رام کباڑیئے کی دکان پر گئے اسے منہ مانگی قیمت دے کر چھری خریدی۔ تھوڑے وقفہ کے بعد ایک کار آ کر رکی۔ علم الدین نے تسلی کر لی کہ مہاشہ راج پال ہی کار سے اتر کر اپنی دکان میں گیا ہے۔ علم الدین سیدھے راج پال کی طرف گئے۔ ہاتھ فضا میں بلند کیا اور چھری کا پھل راج پال کے سینے میں اتار دیا۔

راج پال نے کہا " ہائے اور وہ اوندھے منہ زمین پہ ڈھیر تھا۔ علم الدین کے چہرے پر کوئی ملال نہ تھا۔ وہ عین مطمئن اور سرخ رو تھے۔ لوگ آئے " پکڑو پکڑو کی آوازیں بلند ہوئیں۔

علم الدین نے کہا پکڑو یا نہ پکڑو" میں نے کچھ نہیں چرایا۔

کوئی غلط کام نہیں کیا۔ گستاخِ رسولؐ کو کیفرِ کردار تک پہنچایا ہے۔

"میں خوب جانتا ہوں مجھے تختہ دار پہ لٹکایا جائے گا۔"

میں ناموسِ رسالت پر جان قربان کرنے کیلئے بے قرار ہوں۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو غازی کے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں نے آخری ملاقات کی اسی دن غازی نے آخری وصیت میں لکھا۔ کہ

" میرے رشتہ دار یاد رکھیں کہ مجھے پھانسی مل جانے سے ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے۔ ہر ایک کو اپنا عمل ہی دوزخ سے بچائے گا۔ نماز قائم کرو۔ شرعی احکام بجا لاؤ زکوٰۃ ادا کیا کرو۔"

ملاقات کے دوران غازی نے سب کو اپنے ہاتھ سے پانی پلایا۔ پھر پوچھا کیا آپ کو پانی کی ٹھنڈک پہنچی ہے۔ سب نے کہا ہاں غازی نے کہا اللہ کی قسم میرا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہے۔ میرے بعد جو مجھ پر روئے گا۔ وہ میرا دشمن ہے۔

آخر میں غازی نے اپنی والدہ ماجدہ سے کہا۔ امی! مجھے اپنا دودھ بخش دیجئے ماں کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو دیکھ کر غازی نے ماں کو حوصلہ دیا۔ اور کہا امی! آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ آپ کے اس بیٹے کو ایسی موت نصیب ہو رہی ہے۔ جس کی ہر مخلص مسلمان کو تمنا ہے۔ اس پر آخری ملاقات کا وقت پورا ہو گیا۔



۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو میانوالی جیل میں شیر دل غازی نے تختہ دار پہ کلمہ شہادت پڑھا۔ انہوں نے اُس دن حسب معمول نماز تہجد ادا کی۔ آخر مجسٹریٹ آیا اور اس نے غازی سے آخری آرزو کے بارہ میں دریافت کیا۔ غازی نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنے کی اجازت چاہی۔ وہ بالکل ہشاش بشاش تھے۔ نماز شکرانہ جلدی جلدی ادا کی تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ علم الدین زندگی کے آخری لمحات کو طول دینا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بے قرار تھے۔ وہ موت سے بالکل بے خوف تھے۔ شوقِ شہادت سے اپنے ہاتھ سے اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ بصد شوق تیز قدم اٹھاتے ہوئے تختہ دار کی طرف بڑھے جیل کے دوسرے قیدیوں کو یہ سب کچھ معلوم تھا۔ جیل کے در و دیوار نعرہ رسالت سے گونج اٹھے۔

سرکار کی فرعونیت اور حکام کی سنگ دلی کا یہ عالم کہ انہوں نے غازی کو اُن کے والدین سے اجازت لیے بغیر جیل کے احاطہ میں دفن کر دیا۔ نماز جنازہ تک نہ پڑھی۔ جب مولانا ظفر علی نے سنا تو شعلہ بیانی سے ایک طوفان بپا کر دیا۔ قوم جاگ اٹھی۔

۳۱ اکتوبر کو مسلمانوں نے ننگے سر احتجاجی جلوس نکالا۔

سر شفیع۔ علامہ اقبال۔ میاں عبدالعزیز۔ مولانا غلام محی الدین قصوری پر مشتمل ایک وفد گورنر پنجاب سے ملا اور مطالبہ کیا کہ غازی کا جسدِ خاکی مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔

۱۲ نومبر کو تیرھویں دن نعش کھودے گئے گڑھے سے نکالی گئی اور بذریعہ سپیشل ٹرین لاہور پہنچائی گئی۔

نماز جنازہ چوبرجی کے قریب وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ لاکھوں کا مجمع تھا۔ علامہ اقبال سر محمد شفیع اور بے شمار معززین شہر شامل ہوئے۔ سب کی زبان پر کلمۂ شہادت تھا۔ جیل کے قیدیوں نے عقیدت سے ۲۱ ہزار مرتبہ درودِ پاک پڑھ کر غازی کی روح کو ایصالِ ثواب کیا۔

**بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن**
**خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را**

# انجمن شباب المسلمین فرید کوٹ

انجمن شباب المسلمین فرید کوٹ مخلص اور سرگرم احباب پر مشتمل ایک دینی اور سماجی جماعت تھی۔ ہر طبقہ میں ہر دل عزیز تھی۔ رجسٹرڈ ممبر ۵۰ سے زیادہ تھے۔ معاونین بے شمار فتنۂ ارتداد کا تعمیری طور پر ڈٹ کر مقابلہ کرنا اس کا اہم کارنامہ ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کے سلسلہ میں بھی انجمن نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

بیاہ شادیوں کی تقریبوں پر غیر شرعی رسومات کا سدِ باب کیا اسراف اور تبذیر کو ختم کیا۔

ہندوؤں کے قرضہ میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کو امدادِ باہمی کے اصول پر مدد دے کر قرضوں سے نجات دلائی۔ ان اصلاحات کے سلسلہ میں انجمن کے صدر ڈاکٹر اے ڈی بھٹی کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ انہوں بھٹی برادری کے ایک ایک شخص کو ہندوؤں کے قرضہ سے نجات دلائی۔ امداد باہمی کے سٹور قائم کرکے مسلمانوں کو روزمرہ کی ضروریات کے لیے دوکانداروں کی بجائے اپنے اداروں سے اشیاء ضرورت فرید کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ترغیب دی اور اس بارہ میں عملی اقدام کے لیے وسائل مہیا کیے۔

پکوان کا ایک دانہ تک اور مشروبات کا ایک قطرہ تک ضائع نہ کیا جاتا اس حدیث کو پیش نظر رکھا جاتا کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جس برتن میں کھانا کھاتے نہایت صاف اور ستھرا ہوتا۔ برتن کی صفائی ظاہر کرتی کہ الحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں کھانا تناول فرمایا ہے ہونہار مسلمان بچے نوجوانوں کا مستقبل بنانے میں موثر کردار ادا کیا انجمن امداد باہمی قائم کرکے اعلیٰ تعلیم کے لیے گراں قدر وظیفے دیے۔

شادی کے موقعوں پر مختصری برات آتی۔ اہل محلہ آتے اور براتیوں کا استقبال کرکے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ اہل خانہ کے لیے بار ثابت نہ ہوتے۔

مناسب حال اچھا مگر سادہ کھانا تیار کیا جاتا۔ ایک ایک دانہ کی قدر کی جاتی۔ اور اس کا جائز استعمال کیا جاتا۔ براتی خوب سیر ہو کر کھاتے مگر کھانا ضائع نہ کیا جاتا کھانا اتنا ہی لیا جاتا جتنا واقعی درکار ہوتا کھانے کے بعد برتن بالکل صاف ستھرے ہوتے کھاؤ ضرور اڑاؤ نہ کا اصول کارفرما ہوتا۔

پکوان کا ایک دانہ مشروب کا ایک قطرہ ضائع نہ کیا جاتا غم کے موقعہ پر اہل محلہ سوگوار گھرانے کے ساتھ ہمدردی کرنے وہ تین دن تک انہیں کھانا فراہم کرتے۔ ان کے ہاں کھانا بے جا کر مل کر کھاتے ان کا مہمان بننا ناجائز گردانتے صدقہ اور خیرات کا حسب محال اہتمام ہوتا۔ رسم و رواج کے طور پر نمود و نمائش اور بے جا اخراجات سے احتراز کیا جاتا۔

بھٹی صاحب بنک آف فرید کوٹ کے جنرل منیجر تھے۔

۱۹۴۷ کے بدترین دنوں میں بھی راجا فرید کوٹ اور چیف سیکرٹری فرید کوٹ کو کاروبار کے لیے بھٹی صاحب کے پاس آنا پڑتا۔

اس وقت میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسینؒ ریاست فرید کوٹ کے قاضی۔ امام اور خطیب تھے۔ مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم انجمن اصلاح المسلمین کے صدر تھے۔

بھٹی صاحب اور والد صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ ان دونوں کی مساعی جمیلہ کا ناقابل فراموش کارنامہ یہ ہے کہ ان کی تلقین پر مہاراجہ فرید کوٹ نے ریاست کی حدود میں فرقہ وارانہ فسادات نہ ہونے دیئے اور ریاست فرید کوٹ کے مسلمانوں کو عزت احترام اور حفاظت کے ساتھ پاکستان پہنچا دیا۔

صرف ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے مہاراجہ پر اعتماد نہ کیا۔ اور خود سری سے خود ہی ہجرت کے لیے قافلے بنا کر چل پڑے۔ راستہ میں ہندو ڈاکوؤں اور سکھوں سے ان کا تصادم ہوا۔ راجا کو پتہ چلا تو خود موقعہ پر جا جا کر ان کی مدد کی۔ مجھ سے پہلے فرید کوٹ کے جناب عین الحق اور کوٹ کپورہ کے مولانا محمد اسحاق کے بیان شائع کر چکے ہیں ۱۹۴۷ء میں بھی فرید کوٹ میں وہ مگر سکھ ریاستوں کی نسبت امن اور سلامتی کا ماحول برقرار رہا۔

والیٔ ریاست نے بھٹی صاحب اور والد ماجد کے ساتھ کیے گئے وعدوں کا احترام کیا۔ میری عمر اس وقت چالیس سال تھی۔ میں انجمن شباب المسلمین کا سکرٹری جنرل تھا۔ اور انجمن اصلاح المسلمین کا رکن تھا۔ کئی ایک سماجی تنظیموں روح رواں تھا۔

بھٹی صاحب مخلص دوست اور والد ماجد کا فرمان بردار بیٹا ہونے کی حیثیت سے میں نے تمام تحریکوں میں موثر کردار ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

انجمن شباب المسلمین نے سرزمین فرید کوٹ کے چپہ چپہ پر ذکر و فکر اور میلاد مصطفیٰؐ کی پاک محفلیں سجائیں۔ ان کی برکت سے فرید کوٹ زیادہ چیچک، طاعون اور ہیضہ جیسی وباؤں کا پھوٹ

پڑتا بند ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جس کا ہر فرید کوئی کو اعتراف ہے۔ اور ہم سب اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

انجمن شباب المسلمین کے بیشتر اراکین اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزی رحمت کرے اللہ کریم کے فضل سے چند ایک زندہ ہیں۔

۱۔ صدر ڈاکٹر اے ڈی بھٹی۔ ۲۴ صدیق سٹریٹ حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور۔ فری ہومیو ڈسپنسری چلا رہے ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ ان کا نصب العین ہے۔

۲۔ ننگِ اسلاف محمد عبدالحکیم قاضی جنرل سیکرٹری ۲۸ صدیق سٹریٹ حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور علالت کے باوجود اسلامی کتابیں مرتب کر رہا ہوں۔

جامع مسجد عمر روڈ کرشن نگر لاہور میں ایک منظور شدہ مڈل سکول ایک کامیاب انڈسٹریل ہوم اور ایک فری شفاخانہ چلانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ میری علالت کے دوران الحاج خان احسان الرؤف صاحب اور ان کے ساتھی ان اداروں کو نہایت خوبی سے چلا رہے ہیں۔

اللہ کریم جزائے خیر عطا فرمائے۔

۳۔ چوہدری محمد شفیع خازن کوٹ نہال سنگھ۔ اوکاڑہ میں سماجی کارکن ہیں مقامی مسجد کی رونق ہیں۔ خلیل سٹریٹ نمبر ایک میں رہائش رکھتے ہیں۔

۴۔ صوفی عبدالمجید شیخوپورہ۔ مشہور سماجی اور دینی کارکن ہیں۔

مولوی عبدالحق خانیوال۔ شباب المسلمین کے نعت خواں تھے۔ اب خانیوال میں خطیب اور مبلغ ہیں۔ کئی نئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

ہر محفل کا اختتام اس تلقین پر ہوتا کہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

اے ایمان والو مدد چاہو صبر اور نماز سے۔ (البقرہ ۲: ۱۰۳)

مالیات میں بھٹی صاحب کی ذہانت مسلّمہ ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو متوازن زندگی بسر کرنے کی تعلیم و تربیت دی۔



## (۸)

# بانیٔ پاکستان

قائدِ اعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو وزیر مینشن کراچی میں جناح پونجاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔

محمد علی نام رکھا گیا۔ اسلامی رسم و رواج کے مطابق انہیں سب سے پہلے ایک مکتب میں بھیجا گیا۔ جہاں انہیں اسلام کے مبادیات یاد کرائے گئے۔

۴ جولائی ۱۸۸۷ء کو سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخل ہوئے یہیں قرآن کریم پڑھا۔ سولہ سال کی عمر میں مشن ہائی سکول کراچی سے میٹرک پاس کیا۔

اگست ۱۸۹۳ء میں صرف دو سال کی مدت میں جب وہ اٹھارہ سال کے تھے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔

جیسا کہ بیان ہوا۔

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ۱۸۷۶ء کرسمس کے دن پیدا ہوئے۔ اس وقت ملکہ وکٹوریہ ہندوستان کی شہنشاہ تھیں۔

ملکہ کی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ برٹش سلطنت اتنی وسیع اور اتنی مضبوط تھی کہ اس سے آزادی حاصل کرنے کا خیال تک نہ آسکتا تھا۔

پنجاب میں یہ لوک گیت تھا!

؎ بلّے انگریز کویں جاوے ہا رجی

جناح کی عظمت کے بارہ میں اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ملکہ وکٹوریہ کے پڑپوتے سے ہندوستان میں برطانوی راج کے خاتمے اور مسلمانوں کے لیے پاکستان کے قیام کے لیے دو ٹوک بات چیت کی اور طاقت کے بل بوتے پر اپنے مطالبات منوائے۔

جناح اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ کراچی کی ایک معروف گلی میں واقع دو کمروں میں رہتے تھے۔

ابتدائی تعلیم کے لیئے وہ کراچی کے سندھ مدرسہ سکول میں داخل ہوئے۔ سکول کے
دروازے پر پتھر سے لکھا ہوا تھا !

آؤ طلبِ علم کے لیئے ؛
جاؤ خدمتِ خلق کے لیئے

سولہ سال کی عمر میں وہ لندن گئے۔ لنکن اِن میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ لنکن اِن
میں ایسلیئے داخلہ لیا کہ اس کے دروازے پر ممتاز مقننین کے نام درج تھے۔ ہادیٔ برحق حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سرِفہرست تھا۔

اپنے نہایت روشن ذہن کی وجہ سے انہوں نے صرف دو سال میں امتحان پاس کر لیا۔
انگلستان میں بیرسٹر بننے والے ہونہاروں میں وہ سب سے کم عمر ہندوستانی طالب علم تھے
لندن میں محمد علی جناح کی دو یادگاریں ہیں۔

۱۔ وہ لوح جو اس مکان میں نصب ہے جہاں وہ زمانۂ طالب علمی میں رہا کرتے تھے۔
۲۔ وہ کارڈ جس پر وہ کتابیں درج ہیں جو انہوں نے طالب علم ہوتے ہوتے پڑھیں۔

وکالت کرتے رہے۔ جناح دردِ دل رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی حالتِ زار سے بخوبی واقف
تھے۔ دل میں امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کی تڑپ تھی۔

۱۹۲۲ء میں لیاقت علی خاں انہیں انگلستان میں ملے۔ اور وطن واپس آکر سیاست
میں سرگرمی سے حصہ لینے کی ترغیب دی۔

۱۹۴۰ء میں جب جناح ۶۴ سال کے تھے تو انہیں قائدِ اعظم کا خطاب ملا۔ اسی سال
وہ مسلم لیگ کے اس عظیم اجتماع میں شریک ہوئے جو لاہور میں ہوا۔ جناح نے سیاسی زندگی
بطور کانگرسی مسلمان شروع کی۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے الہ آباد میں کانگرس کے اجلاس میں
شرکت کی پھر ہندو مسلم اتحاد کے حامی بنے۔ ۱۹۱۰ء میں گوپال کرشن گوکھلے کی ہندو مسلم اتحاد
کانفرنس میں حصہ لیا۔ وطن عزیز کی آزادی کی تڑپ ان کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی تھی۔ مگر
گاندھی جی کی گو مگو حکمتِ عملی اور ان کی "آتما کی آواز" کے گورکھ دھندوں سے تنگ آکر وہ
انگلستان واپس گئے۔ تاکہ سکونِ خاطر کے ساتھ وہاں وکالت کرتے رہیں۔

اپریل ۱۹۱۳ء میں انگلستان میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسین کی ترغیب
پر مسلم لیگ میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔ واپسی پر وہ باقاعدہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔



قائدِ اعظمؒ نے مسلم لیگ کی باگ دوڑ سنبھالی تو حالات نہایت سنگین اور مایوس کن
تھے مسلم لیگ کی حریف انڈین نیشنل کانگرس کے پاس بے پناہ سرمایہ تھا۔ وسیع وسائل تھے
تربیت یافتہ اور تنخواہ دار کارکن تھے۔ مضبوط پریس تھا۔ ہندوستان کے کونے کونے میں
کانگرس کی آواز پہنچانے کے انتظامات تھے۔ قائدِ اعظم اور ان کی مسلم لیگ ایسے وسائل سے
محروم تھی۔

مولانا ظفر علی نے کہا ! ؎

مولویوں کو کعبہ میں بھی نانِ جویں تک ملتی نہیں
مالویوں کو ہر کی پوڑی پہ بھی پیڑے ملتے ہیں

کانگرس کی تنظیم و طاقت کے مقابلہ کے لیے قائدِ اعظم نے خداداد بصارت اور بصیرت
سے دو اقدام کیئے۔

۱۔ ملتِ مسلمہ کی نئی نسل کو یعنی نوجوان طبقہ خصوصاً طلبا اور طالبات کو اعتماد میں لیا۔ آپ نے
درس دیا کہ ہندوستان میں مسلمان الگ وجود رکھتے ہیں۔ ان کا محکوم رہنا اور ثانوی حیثیت پر
قناعت کرنا ناممکن ہے۔

قائدِ اعظم نے اپنی خداداد قابلیت سے اس نظریہ کو نوجوان طبقہ کے دل و دماغ میں
میں پوری طرح راسخ کر دیا۔

چنانچہ ملتِ اسلامیہ کا نوجوان طبقہ اس نظریہ سے سرشار ہو کر میدانِ عمل میں آ کودا انہوں
نے تحریک پاکستان کو اپنی روح اور تہذیبی پہچان کی جنگ قرار دیا۔ جس مومنانہ بصیرت اور
مردانہ شجاعت کی تلاش تھی وہ انہیں قائدِ اعظم کی ذات میں مل گئی۔ ان کی بے چینی تمناؤں کو
اعتماد اور حوصلے کی دولت میسر آگئی۔

خیال رہے کہ یہ تحریک تعمیر کی تحریک تھی نہ کہ تخریب کی۔ اس تحریک کے سرگرم کارکن
عبدالستار خاں نیازی۔ م۔ ش عبدالسلام خورشید۔ خواجہ نعیم الانصاری۔ ڈاکٹر۔ باقر زکی الدین
اِل۔ انوار الحق بقید حیات ہیں۔ حمید نظامی۔ آفتاب قرشی۔ شباب مفتی اللہ کو پیارے ہو
چکے ہیں۔ اس تحریک کا دستاویزی تجربہ سرفراز حسین مرزا کے سر ہے جنہوں نے اپنی تصنیف
دی پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن میں طلبا کی تحریک کا دستاویزی تجزیہ کر دیا ہے۔ فکری حلقہ میں
مرزا عبداللہ انور بیگ۔ خورشید عالم۔ احمد بشیر۔ ظفر علی گوندل اور محمد یونس کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو بمبئی کے مشہور پارسی بیرونٹ سر ڈنشا پیٹٹ کی اکلوتی صاحبزادی مس رتن بائی پیٹٹ نے قائدِ اعظم سے شادی کرنے کی غرض سے اسلام قبول کیا۔

۱۹ اپریل ۱۹۱۸ء کو اسلامی روایات کے مطابق آپ نے محترمہ رتن بائی سے نکاح کیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں جناب جناح مسلم لیگ کے مستقل صدر بنائے گئے۔

۱۹۳۸ء میں دہلی کے سہ روزہ اخبار الامان میں مولانا مظہر الدین نے پہلی بار قائدِ اعظم کا لقب تحریر کیا۔ میاں فیروز الدین نے یہ نعرہ لگایا حاضرین نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں میں منظور کیا۔

اسی سال وہ مسلم لیگ کے اُس عظیم الشان اجتماع میں شریک ہوئے جس میں لاہور میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ اپنی الگ آزاد مملکت قائم کریں گے۔

حصولِ پاکستان کے سلسلہ میں قائدِ اعظم کا واسطہ پنڈت نہرو ایسے سیاست دان اور لارڈ مونٹ بیٹن ایسے جابر حاکم اور ماہر قانون سے پڑا۔ تاہم طاقت اور دلیل کے توازن نیز ہمت۔ حوصلہ اور تحمل کے جوہروں نے ہمیشہ قائدِ اعظم کا ساتھ دیا۔ آخر وہ دن آ پہنچا جب اگست ۱۹۴۷ میں انہوں نے برطانوی سامراج کا جوا اتار پھینکا۔ ہندوستان آزاد ہوا۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ جناح بحیثیت گورنر جنرل پاکستان جاہ و حشمت کے ساتھ کے ساتھ کراچی کے اس مکان کے پاس سے گزرے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔ انہیں کہاں فرصت تھی کہ اس یادِ رفتہ کو دیکھنے کے لیے رکیں۔ وہ نہ رُکے۔

تحریک پاکستان میں دو قومی نظریہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہی تحریک ہے جس کی بنیاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحؒ نے رکھی اور جسے مجاہدِ اعظم حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی رحؒ نے آگے بڑھایا۔ اس تحریک کو مقبول بنانے میں حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور شاہ ولی اللہ نے گران قدر خدمات انجام دیں۔

اور مالآخر امام احمد رضا خاں بریلوی رحؒ نے نہایت نازک دور میں اس کی تجدید کی۔ اس مقدس تحریک کو حوادثِ زمانہ سے بچانے کیلئے۔ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی امیر ملت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی



وغیرہ نے ایسی سلجھی ہوئی اور پُر حکمت تدابیر سے کام لیا اور امتِ مسلمہ کی ایسی صحیح راہ نمائی کی کہ ایسی راہ نمائی کی کہ نظریۂ پاکستان برصغیر پاک و ہند کے ہر مسلمان کے رگ و ریشہ میں رچ گیا اور حصول پاکستان ایسا عوامی مطالبہ بن گیا کہ برطانوی سامراج کو اسے منظور کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

## سحر بیانی

قائدِ اعظم کمال کے سحر بیان تھے ۱۹۳۷ء سے قبل مسلم لیگ صرف دوم درجہ کی سیاسی جماعت تھی۔ کانگرس اسے خاطر میں نہ لاتی تھی۔ لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ اکتوبر ۳۷ء میں انہوں نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کے نتیجہ میں

۱۔ سکندر حیات خاں وزیرِ اعظم پنجاب فضل الحق وزیرِ اعظم بنگال محمد سعد اللہ خاں وزیرِ اعظم آسام سر دستِ لیگ میں شامل ہو گئے۔

۲۔ صرف صوبجات متحدہ میں لیگ کی ۱۰۷ نئی شاخیں کھل گئیں ایک لاکھ افراد لیگ میں نئے ممبر بن گئے۔ لیگ دیکھتے ہی دیکھتے اتنی طاقت ور ہو گئی۔ اتنی طاقت ور پہلے کبھی نہ تھی۔

ان کے سامنے حوصلہ افزا حقائق کم تھے، موانعات کا شمار نہ تھا۔ برطانیہ عظمیٰ کا استبداد کانگرس کا جاہ و جلال۔ ہندو کی دولت نیز انکی عیاری اور مکاری کی سیاست ہندو مسلم اتحاد کے ڈھونگ کا جال۔ اپنے عوام کی بے تنظیمی اور پس ماندگی کیسے کیسے موانع ان کے سامنے تھے پہاڑ کیطرح ان کے راستے میں حائل تھے مگر ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ ان کے قوی خلوص میں رتی بھر کمی نہ آئی۔ ان کا ہر قومی عمل اللہ کے لیے تھا۔ اللہ کے بندوں کے لیے بھی۔ اسلیئے ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تعالیٰ ہر مجاہد شمشیر زن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

یہ ارشادِ خداوندی ہے۔

یہی قائدِ اعظم کی کامیابی کا راز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنا کرم اس خادمِ اسلام اور مردِ مجاہد کے شاملِ حال رکھے۔

# قائدِ اعظم کا عزم اور ایثار

جب انتقالِ اقتدار کے مذاکرات فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئے۔ تو قائدِ اعظم پھیپھڑوں کی ٹی۔ بی میں بُری طرح مبتلا تھے۔ مرض مہلک صورت اختیار کر گیا۔ تھا۔ خلاصی بظاہر ناممکن تھی۔
قائدِ اعظم کے سامنے اب دو رستے تھے۔

۱۔ اپنی جان کی حفاظت یعنی حفظانِ صحت کے لیے سوئٹزرلینڈ یا جنوبی فرانس چلے جائیں یا

۲۔ تشکیلِ پاکستان۔ باہر نہ جائیں۔ اندرونِ ملک رہ کر انگریز اور ہندو سے قیامِ پاکستان کی جنگ جاری رکھیں۔ قائدِ اعظم ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر قربان کرنے کے عادی تھے۔ انھوں نے اپنی جان بچانے پر تشکیلِ پاکستان کو ترجیح دی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر کانگرس کے لیڈروں یا مونٹ بیٹن کو ان کے مہلک مرض کا علم ہو گیا تو وہ معاملات کو لٹکاتے چلے جائیں گے۔ جب تک وہ انہیں قبر میں اتار نہیں دیئے جاتے۔ قائدِ اعظم نے اپنے مرض کو سیاسی راز بنا لیا اور اپنے پارسی معالج ڈاکٹر پٹیل کو ہدایت کر دی کہ وہ ان کی علالت کو سربستہ راز رکھیں۔

ایک طرف مرض بڑھتا گیا۔ دوسری طرف مطالبۂ پاکستان شدت اختیار کرتا چلا گیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ ان کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔

۳ جولائی ۱۹۴۸ء کو بلوچستان کے صحت افزا مقام زیارت پر تبدیلیِ آب و ہوا کے لیے تشریف لے گئے۔

۱۸ اگست ۱۹۴۸ء کو پہلی سالگرہ اور جشنِ استقلال کے موقع زیارت سے قوم کے نام پیغام دیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد اللہ کریم کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی مسائل حل ہو گئے ہیں۔ البتہ کئی ایک معاشرتی مسائل ابھر آئے ہیں۔

ترجیحی طور پر پہلا مسئلہ مناسب حال نظامِ تعلیم ہے

۲۔ مضبوط اسلامی بلاک کا قیام

۳۔ فرقہ داریت کا مکمل خاتمہ قومی اتحاد اور یکجہتی۔



۴۔ دولت کے قارونی تصور کی بجائے مکمل طور پر اسلامی نظریات کا نفاذ۔

۵۔ جدید علوم تجرباتی سائنس ٹیکنالوجی اسلحہ سازی اور فنِ حرب میں امتِ مسلمہ کی برتری۔

پاکستان کا قیام عالمِ اسلام اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے

اپنے عقیدہ کے مطابق اُمتِ مسلمہ خیر اُمتہٗ تھی اس علاقے میں مردم شماری کی رُو سے وہ تھے بھی اکثریت۔ تاہم ہندوؤں کو ان کا وجود تک گوارا نہ تھا۔

مسلمانوں کے بارہ میں ہندوؤں کے گھناؤنے عزائم اس بیان سے واضح ہیں جو ہندو لیڈروں نے یہاں کے مسلمانوں کے بارہ بونڈری کمشن کو دیا۔

ذیل میں وہ پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے۔

اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان میں مسلمان آزادی عزت اور فراغت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اپنے وطن میں ساری تجارت ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ آزادی کے ساتھ اپنی ثقافت اور اسلامی روایات کے مطابق رہ سکتے ہیں۔ بلکہ حکومت انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ اور اسلامی طرزِ حیات اپنانے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

میں ریاست فریدکوٹ کا باشندہ ہوں۔ جدی مکان فریدکوٹ میں تھا۔ کئی ایک دیہات میں مسلمان اذان نہ دے سکتے تھے راجہ اچھا تھا۔ مسلمان دادرسی چاہتے تو راجا ان کی مدد کرتا مگر سکھ اور ہندو دیہات میں مسلمانوں کا رہنا محال کر دیتے۔ انہیں اپنے کھیتوں میں رفع حاجت کے لیے جانے سے روک دیتے۔

مسلمان لڑکی کی شادی ہوتی تو ہندو غنڈے دلہن کو دولہا کے ساتھ جانے نہ دیتے جگا ٹیکس لیتے۔ مسلمانوں کو اچھوت سمجھا جاتا تھا ہندو کے نزدیک کتے کا چاٹا تھال پاک تھا مسلمان کا ہاتھ لگا ناپاک۔

ملازمت کے سلسلہ میں نے عمر کا خاصہ حصہ کوٹ کپورے گزارا ناشتہ کے لیے سب سے بڑی دکان جھمن حلوائی کی تھی۔ مسلمان صاف ستھرا باوضو اس کی دوکان پر جاتا۔ تو جھمن صاحب جنگی

آدھی تو ندان کی میلی کچیلی قمیض سے باہر ہوتی اپنے ہاتھ اپنی غلیظ دھوتی پر ملتے ملتے اور چند قدم دور پڑی ہوتی لوہے کی ٹوٹی پھوٹی کرسی کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے جاؤ پیسے وہاں رکھ دو کہیں میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے چھو کر گندہ نہ ہو جائے۔

پھر جھمن صاحب بڑی حقارت سے خشک پتوں کے ڈونگے یا کاغذ میں لپیٹ کر حلوہ یا پوری مسلمان نوجوان کی طرف پھینک دیتے۔ مسلمان اس چیز کو کرکٹ کے بال کی طرح ہاتھوں میں لے لیتا تو اسکی خوش قسمتی۔ ورنہ مسلمان کو خود ہی آگے بڑھ کر زمین سے اٹھانا پڑتا۔ مسلمان کے ساتھ تو یہ سلوک ذلت آمیز روا رکھا جاتا ساتھ ہی دودھ کی کڑھائی اور گلاسوں اور دوسرے برتنوں کو کتے چاٹ رہے ہوتے۔ کتے کے چاٹے ہوئے برتن قابل استعمال سمجھے جاتے۔

تصور کیجیے اس وقت مسلمانوں کے جذبات کیا ہوتے ہوں گے۔

کوئی مسلمان پانی مانگتا تو جھمن نیچے بہتی ہوتی گندی نالی کی طرف اشارہ کرتے کہ وہاں سے اپنا گلاس اٹھاؤ۔ پھر وہ بانس کی لمبی نال لے کر اسکے ذریعے شربت یا پانی مسلمان کی طرف انڈیلتے تاکہ مسلمان کے ہاتھ لگے پانی کا کوئی قطرہ ملائی پر یا اس کی چیزوں پر نہ پڑ جائے۔ مسلمان کے ساتھ ایسا ذلت آمیز سلوک جھمن کے ساتھ خاص نہ تھا۔ ہر ہندو دکان دار کا یہی رویہ تھا۔ اور سارے کے سارے بازار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔

یہ بات تو فرید کوٹ اور کوٹ کپورہ کی ہے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں کی کوئی ساکھ نہ تھی۔ طوالت کے خوف سے ایک مثال پیش کرتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ لاہور اور فیصل آباد کے علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اور بھی۔ ہندو لیڈروں کی نظریں ان کی ساکھ کیا تھی۔

ہندو لیڈروں کا مطالبہ یہ تھا کہ لاہور اور فیصل آباد کے علاقے بھارت میں شامل کر کے یہاں کے مسلمانوں کو نقل کی طرف دھکیل دیا جائے۔ اس بارہ میں ہندو لیڈر سر ہرنام سنگھ نے بونڈری کمیشن کو جو بیان دیا وہ امت مسلمہ کے لیے نہایت عبرت ناک ہے۔ سردار ہرنام سنگھ نے کہا تھا۔ کہ اس ضلع میں آباد مسلمانوں کی اکثریت جولاہے۔ دھوبی۔ فقیر۔ بھیک منگے۔ چرواہے۔ کمہار۔ مصلی۔ لوہار۔ ترکھان۔ بوچڑ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ جن کا زرعی اراضی کے ساتھ کوئی



تعلق نہیں یہ ہندوؤں اور سکھوں کے خدمت گار ہیں۔ اس لیے زمین کے بارہ میں فیصلہ کرتے ہوئے کہ وہ کسی ملک میں شامل کی جائے بے زمین اور خدمت گار لوگوں کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دینی چاہیئے۔

مردم شماری سے متعلق اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے سردار ہرنام سنگھ نے کہا کہ پنجاب میں مسلمانوں کی کل آبادی ۱۹۳۱ء میں تقریباً" ڈیڑھ کروڑ تھی جس میں سے تقریباً" ۷۴ لاکھ اس خدمت گار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مزید واضح کیا کہ ضلع لاہور کے مالیہ کی سالانہ رقم اٹھارہ لاکھ روپے ہے۔ جس میں سے ۱۳ لاکھ غیر مسلم زمینداروں سے وصول کیے جاتے ہیں۔ صرف پانچ لاکھ مسلمانوں سے اس لیے لاہور کے مالک وہی لوگ ہیں جو زمینوں کے مالک ہیں مسلمانوں نے نوکری اور خیرات پر گزارہ کرنا ہے تو وہ یہ پیشہ اور کسی جگہ جا کر بھی کر سکتے ہیں۔

(نوائے وقت : مارچ ۱۹۸۴ء)

دسمبر ۱۹۳۰ء کو الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا ایک واضح تصور پیش کیا۔

آپ نے فرمایا اس ملک کے بعض صوبے اور علاقے ایسے ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہندوؤں سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کو حق ہونا چاہیئے کہ وہ ان علاقوں میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کر لیں جہاں مسلمان اپنی زندگی اسلامی تمدن کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسی سال لندن میں کانفرنس ہوئی۔ حکومت برطانیہ نے ہندو اور مسلمان زعما سے اپنے اپنے حقوق کے بارہ میں دریافت کیا ہندوؤں کا موقف تھا کہ ہندوستان میں ایک قوم آباد ہے۔ مسلمانوں نے دو ٹوک واضح کر دیا کہ ہندوستان میں ایک قوم نہیں دو قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو۔ دوسری مسلمان دونوں کا تمدن۔ مذہب۔ کھانا۔ پینا۔ رسم و رواج۔ عبادت و خطاب بالکل جدا جدا ہے۔

"مسلمان گائے کو کھاتا ہے۔"

"ہندو گائے کو پوجتا ہے۔"

مسلمان صرف ایک اللہ کو عبادت کے لائق گردانتا ہے۔

ہندو ہر مفید اور ہر موذی شے کی پوجا کرتا ہے۔

مسلمان باہم السلام علیکم سے خطاب کرتے ہیں۔ ہندو نمستے کہہ کر ماتھا ٹیکتے ہیں۔

مسلمان یومِ حساب کا قائل ہے۔ ہندو کے سامنے صرف دنیا ہے۔ اس کا مقصدِ حیات دنیوی برتری ہے۔ مسلمان کے نزدیک سود حرام ہے۔

ہندو سودی کاروبار سے مسلمان کا خون چوس کر موٹا ہوتا ہے اسے اپنا دھرم قرار دیتا ہے

مسلمانوں نے برطانوی حکومت پر علی الاعلان واضح کر دیا کہ وہ کسی ایسے منشور یا آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس میں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو صاف طور پر تسلیم نہ کیا گیا ہو۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا تاریخی سالانہ اجلاس اس میدان میں ہوا جہاں آج مینارِ پاکستان ہے۔ صدارت قائداعظم نے کی قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔ مطالبہ کیا گیا ملک کے شمالی و مغربی علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں ہے۔ ایک آزاد خود مختار اسلامی مملکت قائم کی جائے بعد میں اس مملکت کا نام پاکستان تجویز کیا گیا۔ بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بطور ایک آزاد خود مختار اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آیا۔

ریڈیو انڈیا سے پہلی بار قائداعظم نے اعلان نشر کیا کہ پاکستان بفضلِ خدا دنیا کے نقشے پر ابھر آیا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت انشاء اللہ مٹا نہیں سکتی۔

نہرو نے سسکیاں بھرتے ہوئے تسلیم کیا کہ بھارت ماتا کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انگریزی تسلط کے آغاز سے لے کر انگریزی اقتدار کے خاتمے تک مسلمانانِ ہند نے جتنی تحریکیں چلائی گئیں ان میں سے صرف قیامِ پاکستان کی تحریک نے اپنا مقصد حاصل کیا۔ یہی ایک تحریک ہے۔ جس کے لیڈر نے جو کہا وہ کر کے دکھایا۔

قائداعظم مسلمانوں کے عظیم قومی رہنما ہیں ان کی زندگی کے کئی ایک روشن باب ہیں۔ ایک اہم درخشاں باب یہ ہے۔ کہ وہ فطرتاً امن پسند تھے۔ اور قانون کی پاس داری کے عادی تھے۔ ان کے ہم عصر لیڈروں کو اپنی قانون شکنیوں کی پاداش میں جرمانوں اور قید و بند کی سزائیں بھگتنی پڑیں۔ مگر قائداعظم نے نہ کبھی قانون شکنی کی نہ ایک پیسہ جرمانہ ادا کیا نہ ایک لمحہ کے لیے بھی جیل کی ہوا کھائی نہ انہوں نے آزادی کے طویل جہاد میں جیل کی صعوبتیں جھیلنے پر قوم کو آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنی نیک مثال سے دنیا کو امن پسندی اور قانون کی پابندی کا درس دیا۔

## اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں ہندو عزائم، ہندو لیڈروں کے مندرجہ ذیل بیانات واضح ہیں

۱۔ گاندھی جی نے ۱۹۱۸ء میں کہا۔

ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول و عرض میں نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤ کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔

ہندو مت عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کریگا کہ وہ گاؤ کُشی بند کر دیں"۔

۲۔ مسٹر کیشور آپٹے نے راشٹریہ سیوک سنگھ کے کیمپ کا افتتاح کرتے ہوئے کہا!

"ہندوستان صرف ہندوؤں کی سرزمین ہے۔ یہاں رہنے والے مسلمان اور عیسائی صرف مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس وقت تک یہاں رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے جب تک مہمان بن کر رہیں۔"

ہندوستان کے اصل باشندے صرف ہندو ہیں۔ مسلمان ہندوستان کے شہری نہیں ہو سکتے۔ وہ عرب سے آتے ہیں۔ اور آج بھی اسی مذہب اور عقیدے پر قائم ہیں۔ مسلمانوں کو اگر ہندوستان میں رہنا ہے۔ تو ہندوستانی تہذیب و تمدن کو اپنانا ہوگا۔ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے اور ہندی ہندوؤں کی زبان ہے۔"

۳۔ جن سنگھ کے لیڈر کھارے نے دسمبر ۱۹۴۸ء میں کہا۔

" پاکستان کو ختم کر کے اسے دوبارہ بھارت دیس بنایا جائے"۔

۴۔ لالہ ہردیال ایم اے کا بیان ہے!

"ہندو کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے تمام مسلمانوں کو ہر جائز ناجائز کوشش سے ہندو بنا کر کسی نہ کسی فرقے میں داخل کر لو۔ اس طرح سے سوراجیہ حاصل کر لو اور بھارت دیش کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شدھ کر دو۔"

آپ نے مختصر طور پر ملاحظہ کیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں ہندوؤں کے عزائم کیا تھے۔
دوسری طرف خود مسلمانوں کا ایک خاص طبقہ فلسفۂ گاندھی سے متاثر تھا اور گاندھی جی
سے دلی عقیدت رکھتا تھا۔ اور تو اور علماء کا ایک معتدبہ گروہ ہر قیمت پر ہندوؤں سے
اتحاد اور ملاپ کا داعی تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ۔ کانگرسی ذہن کے علماء نے گاندھی جی کو جامع مسجد خیر الدین امرتسر
لاکر ممبرِ رسولؐ پر بٹھایا۔ خود ان کے قدموں میں بیٹھے یہ دعا کی گئی کہ " اے اللہ تو گاندھی جی
کے ذریعے اسلام کی مدد فرما"

تحریکِ خلافت کے زعما کی تلقین تھی۔

"مسلمانو! زبان سے جسے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم ہندوؤں کو راضی کرو
گے تو خدا کو راضی کروگے۔"

رفاہِ عام لکھنو کے جلسہ میں اعلان ہوا۔

"اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"

بریلی میں گاندھی جی کی آمد پر استقبال کے طور پر یہ شعر پڑھا گیا۔

ہیں جن کو دیکھ کر مہر و ماہ ششدر وہ آئے
جھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر وہ آئے

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے ایسے بے حمیت گروہ کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے!

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم! دیکھ! میرے فرش پر نہ رینگ



مسٹر جناح نے اپنی سیاسی زندگی بطور مخلص کانگرسی مسلمان شروع کی ۱۹۱۰ء میں انہوں
نے الہ آباد میں کانگرس کے اجلاس میں شرکت کی وہ ہندو مسلم اتحاد کے سرگرم حامی تھے۔ ۱۹۱۰
میں گوپال کرشن گوکھلے نے انہیں ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا۔ اسی سال انہوں
نے ہندو مسلم اتحاد کانفرنس میں حصہ لیا۔

وطنِ عزیز کی آزادی کی تڑپ جناح کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی تھی۔ اور وہ صاف
ستھری اور حقیقت پر مبنی سیاست کے قائل تھے۔ اس لیے وہ گاندھی جی کی گومگو حکمتِ عملی
اور ان کی آتما کی آواز کے گورکھ دھندوں سے تنگ آگئے، اور انگلستان واپس لوٹ گئے تاکہ
وہاں سکونِ خاطر کے ساتھ وکالت کا پیشہ اپنائیں۔

اپریل ۱۹۱۳ء میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسین کی ترغیب پر جناح مسلم لیگ
میں شرکت پر آمادہ ہو گئے۔ واپسی پر وہ باقاعدہ طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں وہ مسلم لیگ کے مستقل صدر بنائے گئے۔

۱۹۳۸ء میں دہلی کے سہ روزہ اخبار "الامان" میں مولانا مظہر الدین نے پہلی بار جناح کے
لیے قائدِ اعظم کا لقب تحریر کیا۔ میاں فیروز الدین نے یہ نعرہ لگایا۔

قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کی باگ ڈور سنبھالی تو حالات نہایت سنگین اور مایوس کن تھے۔
مسلم لیگ کی حریف انڈین نیشنل کانگرس کے پاس بے شمار سرمایہ تھا۔ وسیع وسائل تھے۔ تربیت یافتہ
اور تنخواہ دار سیوک تھے۔ مضبوط پریس تھا۔ ہندوستان کے کونہ کونہ میں کانگرس کی آواز پہنچانے کے
اسباب تھے قائدِ اعظم اور ان کی مسلم لیگ ایسے وسائل سے یکسر محروم تھے۔

مولانا ظفر علی نے ان حالات کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

مولویوں کو کعبہ میں بھی نانِ جویں تک ملتی نہیں
مالویوں کو ہر کی پوڑی پر بھی بیڑے ملتے ہیں

کانگرس کی منظم طاقت کے مقابلہ میں قائدِ اعظم نے خداداد بصارت اور بصیرت
سے دو اقدام لیے!

# ۹
# پاکستان

پاکستان کا قیام اتفاقی واقعہ نہیں۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال کے تہذیبی اور تاریخی عمل کا ثمر ہے۔ یہ عمل دہریت کے دور میں احیائے اسلام کے مقدس مقصد کے لیے قائم ہوا ہے۔ پاکستان کی تحریک اسی دن سے شروع ہوئی جب پہلے مسلمان نے اس سرزمین پر قدم رکھا۔

پاکستان کے قیام کا اعلان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوا۔

اسلام ایک عالم گیر دین ہے۔ یہ دینِ فطرت ہے۔ سلامتی اور سربلندی کا ضامن ہے اسلام کا ضابطہ قرآنِ کریم ہے جو بنی نوعِ انسان کو تاریکیوں سے اجالے میں لاتا ہے۔ قرآن کا طریقۂ کار ہدایت اور موعظت ہے۔ اسے تیغِ آہن سے پہلے تیغِ حلم کو آلۂ کار بنانے کا حکم ہے۔

اسلام کے داعی نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسلام نے اپنے عملی نفاذ کے لئے جو معاشرہ قائم کیا ہے اس معاشرہ کا ہر پیروکار پہلے مومن ہے خود امن میں ہے۔ دوسروں کو امن مہیا کرتا ہے۔ پھر مسلمان ہے۔ خود سلامتی سے ہم کنار رہے اور دوسروں کے لیے سلامتی کا باعث ہے۔ حقیقی کارساز اور کل امور کا مدبر وہ احکم الحاکمین ہے۔ بغداد میں عباسی خلافت زوال کا شکار ہونے لگی تو ادھر ہند میں نئی اسلامی مملکت ابھرنے لگی۔ اس کی بنیاد کا سہرا غزنوی اور غوری کے سر ہے۔

اللہ کریم کو اس ننھی سلطنت کا عروج منظور تھا چنگیز خان نے سارے عالم اسلام کو تہہ و بالا کیا۔ مگر اس کا رخ اس نئی اسلامی سلطنت کی طرف آنے سے رک گیا۔

ہندوستان میں اس نئی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے میں غزنوی اور غوری ایسے بہادران اسلام کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش رح اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح ایسے پارسا اولیاء کرام کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ اس لیے مسلمان حکمرانوں نے ہندو رعایا کے بارہ میں تالیفِ قلوب کا رویہ روا رکھا۔ مذہبی آزادی کے علاوہ ہندو رعایا کو ہر قسم کا امن و امان دیا۔

۱۔ امت مسلمہ کی نئی نسل یعنی نوجوان طبقہ خصوصاً طلباء و طالبات کو اعتماد میں لیا۔ اور انہیں درس دیا کہ ہندوستان میں مسلمان ایک قوم ہیں۔ وہ الگ وجود رکھتے ہیں۔ ان کا محکوم رہنا اور ثانوی حیثیت پر قناعت کرنا ناممکن ہے۔

۲۔ اس برصغیر میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت اسی صورت میں اجاگر ہو سکتا ہے جب اسے بڑھنے پھولنے کے لیے خاص خطۂ ارضی حاصل ہو۔ جہاں اسے اپنی خصوصیات اور امتیازات کی حمایت اور حفاظت میسر ہو۔

قائدِ اعظم نے اپنی خداداد قابلیت سے اسی نظریہ کو نوجوان طبقہ کے دل دماغ میں پوری طرح راسخ کر دیا۔

چنانچہ ملتِ اسلامیہ کا نوجوان طبقہ اس نظریہ سے سرشار ہوکر میدانِ عمل میں آکودا۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان کو اپنی روح اور تہذیبی پہچان کی جنگ قرار دیا۔ جس مومنانہ بصیرت اور مردانہ شجاعت کی تلاش تھی وہ انہیں قائدِ اعظم کی ذات میں مل گئی۔ ان کی بے چین تمناؤں کو اعتماد حوصلے کی دولت میسر آگئی۔ خیال رہے کہ یہ تحریک تعمیر کی تحریک تھی۔ نہ کہ تخریب کی اس تحریک کے سرگرم کارکن مولانا عبدالستار خاں نیازی عبدالسلام خورشید، خواجہ نعیم احمد انصاری ڈاکٹر ذکی الدین پال، انوار الحق بقیدِ حیات ہیں۔ اللہ کریم انہیں سلامت باکرامت رکھے۔ حمید نظامی۔ آفتاب قرشی۔ شباب مفتی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اللہ عز و جل رحمت کرے۔

اس تحریک کے دستاویزی تجزیہ کا سہرا سرفراز حسین مرزا کے سر ہے۔ جنہوں نے اپنی تصنیف "دی پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن" میں مفصل حالات قلم بند کر دیئے ہیں۔

نکری ملفوظیں مرزا عبد اللہ انور بیگ، خورشید عالم۔ احمد بشیر۔ ظفر علی گوندل اور محمد یونس کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن برصغیر کے کونے کونے میں سرگرم ہو گئے انہوں نے جگہ جگہ تربیتی کیمپ کھولے۔

۱۔ مسلمانوں کو قراردادِ پاکستان کے معنی مفہوم اور مقاصد سے روشناس کیا جانا۔

۲۔ یقین دلایا جاتا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

۳۔ ملتِ اسلامیہ کو ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رکھا جانا۔

مگر ہندوؤں نے نہ مومن کو امن کا پیکر جانا نہ مسلمان کو سلامتی کا نقیب۔ انہوں نے مسلمانوں کو ملیچھ اور اچھوت قرار دیا۔ انہیں ناپاک اور پلید سمجھ کر ان کے ہاتھ کا کھانا پینا بند کر دیا۔ ان کے سایہ تک سے دور بھاگنے لگے۔ انہوں نے مسلمان عوام پر عرصۂ حیات تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی معاشی اور اقتصادی طور پر مسلمانوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ہندو اکثریت میں تھے مسلمان اقلیت میں تمام تجارت اور کاروبار پر ہندو چھا گئے۔

ہندو کے نزدیک صرف دنیا ہے۔ ان کا دھرم دنیا سے الگ ہے۔ اور انہوں نے اپنے حقوق کے لیے انڈین نیشنل کانگرس قائم کی جس کا مقصد ہندوؤں کی اقتصادی حالت کو سدھارنا تھا۔ مسلمان کے نزدیک دین اور دنیا میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انہوں نے مستقبل کی حفاظت کے لیے مسلم لیگ قائم کی جس کا نصب العین اور بلند آہنگ نعرہ پاکستان کا قیام تھا۔ یہ نعرہ ہندوستان کے بت کدے میں اذاں کے مترادف تھا۔

اسلام سے پہلے عرب میں جاہلیت کا دور دورہ تھا۔ شراب نوشی تھی قمار بازی تھی۔ سودی معیشت تھی فحاشی تھی عریانی تھی۔ نسلی غرور تھا۔ غلاموں کا رکھنا تھا بت پرستی تھی۔ قبائلی لڑائیاں تھیں ماڈرن یورپ میں بھی یہ سب کچھ ہے۔ انسانوں کا استحصال ہے۔ پہلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں تھیں۔ اب دو عالمی جنگیں لڑی گئیں ہیں۔ کروڑوں انسان ہلاک ہوتے ہیں۔ یورپ نے لاکھوں کی ملکیتیں لوٹی ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے پورے برِاعظموں کا استحصال کیا ہے۔ پہلے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ اب انسانی ذہن کے تراشے ہوئے تصورات کی پوجا ہوتی ہے کہیں نیشنلزم کا بت ہے۔ کہیں کمیونزم کا کہیں سرمایہ داری کہیں سوشلزم کا کہیں کیپٹل ازم کا کہیں اسٹیٹ کا مملکت کو بت بنا کر اس کی پوجا کی جا رہی ہے اور اسکے تھاں پر بے دریغ عوام کی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ اور اس کے نام پر انسانوں کو ابتدائی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔

پہلے تاریک دور میں اسلام کے انوار پھیلانے میں عربوں نے سعادت حاصل کی۔ آج گمراہی اور الحاد کے دور میں اسلامی تعلیمات کے بول کو بالا کرنے کا بیڑا پاکستان نے اٹھایا ہے۔ موانعات بہت ہیں تاہم عالمی غلبۂ اسلام اور حق کی فتح مشیتِ ایزدی ہے اور اٹل ہے۔ اگر مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور قرآنِ کریم نے اس سلسلہ میں ان پر جو فرائض عائد کیے ہیں انہیں پوری طرح بجا لائیں۔ تو وہ غلبۂ اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے



آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے ایک اجلاس میں قائداعظم کی دل ہلا دینے والی تقریر کا مندرجہ ذیل حصہ ہر مسلمان کے مطالعہ میں آنا چاہیئے۔

"مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا، دولت شہرت اور عیش عشرت کے بہت لطف اٹھائے اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ آواز دو سر بلند دیکھوں۔ میں میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت سے غداری نہیں کی۔ اور مسلمانوں کی آزادی تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا میں تے آپ سے اس کی داد اور شہادت کا طلبگار نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل میرا اپنا ایمان میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تم مسلمانوں کی تنظیم اتحاد اور حمایت کا فرض بجا لائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں علم اسلام کو سر بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے"

"شاہدوں کا بیان ہے کہ جناح کے منہ سے یہ رقت آمیز الفاظ سن کر حاضرین زار زار رو رہے تھے۔"

روزنامہ انقلاب لاہور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء صفحہ آخری کالم۔

## پاکستان کی تشکیل سُنتِ الٰہیہ کے حق ہونے کی دلیل ہے

قرآن حکیم میں ہے۔!

اور تم لوگ کوئی کام کرو — وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ

ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں۔ — إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا

جب تم اس کو شروع کرتے ہو۔ — إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ

(یونس ۱۰ : ۶۱)

اللہ عزوجل کی سنت ثانیہ رہی ہے کہ جب کوئی فرد بالخصوص کوئی قوم اللہ سے کوئی وعدہ کرتے ہوئے کسی چیز کا سوال کرتی ہے تو اللہ اسے وہ عطا فرما کر ایک موقعہ عنایت فرماتا ہے۔ کہ وہ اپنے قول کی صداقت اور وعدے کی سچائی ثابت کر سکے۔

# قائداعظمؒ کی جمہوریت نوازی اور اصول پسندی

حضرت قائداعظم محمدؒ علی جناح بلا کے بااصول تھے۔ اور اصول سے ہرگز تجاوز نہ کرتے تھے۔

۳۔ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن کی صدارت میں مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگرس کے نمائندوں کا تاریخی اجلاس ہوا۔

جس میں ہندوستان کے مستقبل کے آئینی ڈھانچہ پر فیصلہ ہوا۔ کانگرس کی نمائندگی پنڈت جواہرلال نہرو۔ سردار پٹیل اور گاندھی جی مسلم لیگ کی طرف سے حضرت قائداعظم۔ خان لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر شامل ہوئے۔ سردار بلدیو سنگھ سکھوں کے نمائندہ تھے۔

وائسرائے نے برطانوی منصوبہ متعلقہ انتقال اقتدار کا پس منظر تفصیل سے بیان کیا اور منصوبہ کی کامیابی ساتوں لیڈروں کو ۔ بات چیت میں وعدہ وعید کی رسم پوری ہوئی۔

وائسرائے کی خواہش تھی کہ کانفرنس کی کاروائی "فوراً" مکمل ہو جائے۔

گاندھی نہرو اور پٹیل نے "فوراً" ہاں میں ہاں ملادی۔ دراصل انہیں آزاد اور کانگرس ورکنگ کمیٹی سے ہاں کروانا معمولی معاملہ تھا۔ نہ بلدیو سنگھ نے اکالی اور سکھ لیڈروں سے منظوری لینا ضروری سمجھا۔ قائداعظم ڈٹ گئے اور صاف کہہ دیا کہ یہ معاملہ اہم ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی پیشگی رائے کے بغیر وہ کچھ کہنے سے مجبور ہیں۔ وائسرائے بہت جلدی معاملہ طے کرنا چاہتے تھے۔ دھونس دھمکی پر اتر آیا۔ مگر قائداعظم کی اصول پسندی میں سرِمو فرق نہ آیا۔

انہوں نے ۴ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے برطانوی منصوبہ کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں پیش کیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن کو اعتراف کرنا پڑا کہ قائداعظم محمد علی جناح مضبوط قوت ارادی کے مالک ہیں۔

اللہ کریم غریق رحمت کرے۔ پاکستان زندہ و پائندہ باد

نہرو غصے پر قابو نہ پا سکے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے ہم مجبوری کے عالم میں اس نئی مملکت کو قبول کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے لیے اتنی مشکلات پیدا کریں گے کہ یہ خود گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ



۱۹۴۷ء برصغیر کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تقرر کانگرس کے ایماء اور پنڈت جواہرلال نہرو کی مرضی کے مطابق ہوا تھا۔ ہندو کانگرس نے محسوس کر لیا تھا کہ لارڈ ویول ہندوؤں کا راگ نہیں الاپ رہا تھا۔

لارڈ ویول کی ڈائری اب چھپ چکی ہے اور اس دور کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ ہندوؤں کے راہ نما گاندھی جی جو کل ہند کی نمائندگی سے کم کوئی حیثیت قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ غیر جانب دار ہوئے انہیں کسی طور دیکھا اور پھر انہیں کسی طرح نہیں کیا یہ الگ الگ داستان ہے۔

لارڈ ویول راہ نما قائداعظم پر ہوئے انہیں سیاست دان اور محاگورد کہ کر بیان کیا گیا ہے۔ بات کا سچا اور قول کا پکا لیڈر کہا گیا ہے۔

اگر وہ مسلمانوں کی حمایت کے لیے نہ ہوتے تو پاکستان کبھی ممکن نہ ہوتا۔

انگریز حکمران ہند کے لیے وہ برصغیر ہند و پاک کو متحد چھوڑنا چاہتے تھے۔ انگریزوں کی خواہش تھی کہ ہندوستان کانگرس کو دیکر خود رخصت ہو جائیں۔

صرف قائداعظم کی ذات تھی، جنہوں نے ہر قدم پر پاکستان کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ سینہ سپر ہو کر جنگ جاری رکھی۔

لارڈ مونٹ بیٹن کی صدارت میں مسلم لیگ اور کانگرس کے نمائندوں کو جو تاریخی اجلاس بلدیو سنگھ اور ماسٹر تارہ سنگھ نے اتفاق کیا تھا کہ پنجاب کی تقسیم مسلم اکثریت کے علاقوں کی بنیاد پر کی جائے۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء قائداعظم کی کامرانی کا دن ہے۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے برطانوی منصوبہ کا اعلان ہوا۔

اسی دن قائداعظم نے آل انڈیا ریڈیو سے تقریر کی اور پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا۔

۱۹۴۸ء کو بیماری کی حالت میں چار بجے سہ پہر کوئٹہ سے روانہ ہوئے اور چھ بجے شام کراچی پہنچے اسی دن کی رات دس بجکر ۲۰ منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۱۲ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پانچ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے شرکت کی۔ چھ بج کر ۴۷ منٹ پر لیاقت علی خان نے دوسرے وزراء کی مدد سے نعش

قبر میں اتاری۔ اللہ کریم غریق رحمت کرے۔

تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اورنگ زیب عالم گیر کے بعد برصغیر پاک و ہند میں حضرت قائد اعظم محمد علی جناح سب سے بڑی ہستی پیدا ہوئی اورنگ زیب کے بعد مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کئی تحریکیں رونما ہوئیں سب سے نمایاں تحریک تحریکِ پاکستان ہے جو قائد اعظم کی بصیرت اور ان کی استقامت کی بدولت نہایت خوبی سے خاطر خواہ طور پر کامیاب ہوئی۔

جناح شکست کا نام لینا گوارا نہ کرتے تھے اللہ کریم کے فضل و کرم سے وہ ہمیشہ کامیابی سے ہم کنار رہے۔

قوم اپنے قائد کے سایۂ عافیت سے محروم ہو گئی۔

اللہ اس کا حامی و مددگار ہو اور بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کو غریقِ رحمت کرے۔ آمین۔

حضرت قائد اعظم اپنی صدی کی عظیم ترین شخصیت ہیں" وہ دنیائے اسلام کا نجات دہندہ ہیں انہوں نے نہ صرف حصولِ پاکستان کے لیے رات دن ایک کر دیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد اس کی تعمیر اور ترقی کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔

اس عظیم قائد نے مسلمانوں کی ایک پس ماندہ اور غیر منظم اقلیت کو ایک زندہ قوم میں بدل دیا۔ اور دو بڑی طاقتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس دور کے مسیحا اور عظیم ترین مسلمان ہیں۔

# تحریکِ پاکستان میں خواتین کا کردار

تحریکِ پاکستان میں مسلم خواتین نے مردوں کے دوش بدوش کام کیا۔

۲۶ فروری ۱۹۴۷ء کو سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی مردوں کے ساتھ خواتین تحریک کو کامیاب بنانے کا عزم کیے گھروں سے نکل کر میدانِ عمل میں نکل آئیں۔

۱۔ بیگم شاہ نواز نے سب سے پہلے آواز بلند کی۔ راج۔ برطانیہ کا تھا۔ پولیس مزاحمت پر اتر آئی۔ خواتین نے پاکستان کی تاریخ کو لہو سے لکھنے کا ارادہ کر لیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو نواب دین کی حویلی میں ایک اجتماع ہوا۔ ایک عہد نامہ پیش کیا گیا جس کی رو سے خواتین نے عہد کیا کہ ہم قائد اعظم کی قیادت میں اپنی جان اپنا مال۔ اپنا سب کچھ پاکستان پر قربان کریں گی۔ یہ عہد نامہ ایک رجسٹر کے ہر صفحہ پر موٹے حرفوں میں لکھا گیا میز پر قلم۔ روئی۔ سپرٹ۔ اور نئی بلیڈوں والے ہولڈر رکھے گئے۔ دستخط کرنے والی خاتون نب چبھو کر اپنا خون نکالتی اور خون سے عہد نامہ پر دستخط کرتی۔ یہ ساری کاروائی خفیہ تھی۔ تاہم پولیس کو خبر ہو گئی۔ اس نے خواتین کو ہراساں کرنا شروع کر دیا۔

اُس زمانہ میں خواتین پردے کی پابند تھیں ان کا گھروں سے باہر نکل آنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تاہم خواتین تمام مزاحمتوں کے باوجود قومی جلسوں میں جاتیں اور قائد اعظم کی ہدایات پر عمل کرتیں کسی دھمکی اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتیں۔

۱۹۴۷ء میں خواتین میں جوش و خروش زوروں پر تھا۔ سامراجیت کے خلاف نعرے بلند ہوئے۔ ہندو مخالفت کرنے لگے۔ طرح طرح کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ مگر خواتین نے آگ و خون کے سمندر کو عبور کرنے کا تہیہ کر لیا۔

۱۹۴۷ء میں تمام مشکلات کے باوجود قائد اعظم نے ڈائریکٹ ایکشن کا حکم دیا۔

۲ - فاطمہ صغریٰ کم سن تھیں مگر انہیں اسلحہ لینے کے لیے پشاور بھیجا گیا ۔ بچی کی ہمت دیکھئے کہ گئی اور ایک رائفل ایک پستول اور چوبیس گولیاں لے آئی رات کو اٹک پل پر چیکنگ بھی ہوئی مگر بچی کی حاضر دماغی کام کر گئی وہ اسلحہ لے کر لاہور پہنچ گئی ۔

۳ - بیگم زینب کاکاخیل ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس تھا نواب بہادر یار جنگ نے خطاب کرنا تھا ۔ یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی ۔ وہ ہر حربے سے اجلاس کو ناکام بنانے پر تُل گئی ۔ پہلے فتویٰ مشہور کیا کہ عورتوں کو گھروں کی چار دیواری سے باہر نکلنا حرام ہے ۔ پھر مشکلات پیدا کرنے کی غرض سے ایسا خوفناک ماحول پیدا کیا کہ ہر طرف دھواں ہی دھواں گولیاں ہی گولیاں مگر ملک و ملت کو خواتین میں آزاد کرنے کی لگن اتنی شدید تھی کہ خواتین نے کسی طرف کان ہی نہ دھرا بیگم زینب کاکاخیل نے اللہ کا نام لے کر موچی دروازہ سے باہر نکلیں نعرہ تکبیر بلند کرتی ہوئیں بے باک چلی گئیں ۔ آخر جلسہ گاہ میں جا پہنچی اور پہلی دفعہ وہ مشہور نظم پڑھی جس کا مصرع ہے :- **ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح**

محترمہ زینب کاکاخیل اسلامیہ کالج کوپر روڈ کی پرنسپل تھیں ۔ پھر شاہی دور میں انہیں ساہیوال جانا پڑا عمر کے آخری حصہ میں وہ پاک انجمن خواتین اسلام کی روح رواں تھیں ۔ ان کی کوشش تھی کہ پاکستان کتاب و سنت کی روشنی میں ایک مثالی رفاہی سلطنت ہو ۔

محترمہ تحریک پاکستان کی بے لوث اور سرگرم کارکن تھیں ۳۱ جولائی ۱۹۸۵ء کو گردے کی تکلیف سے میو ہسپتال میں وفات پائی ۔

۴ - فاطمہ صغریٰ نے سیکرٹری ایٹ پر سے یونین فلیگ اتار پھینکا اور اسکی جگہ پرچم اسلام بلند کر دیا ۔

۵ - مس ممتاز شاہ نواز نے اپنے سبز دوپٹے کا جھنڈا بنایا اور لاہور جیل پر آویزاں کر دیا ۔ دختران اسلام کی یہ قربانیاں اور جرأتیں تحریک پاکستان کی تاریخ کا نہایت درخشاں باب ہیں اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ قائداعظم نے شاندار الفاظ میں ان بہادر دختران اسلام کو خراج تحسین پیش کیا ۔

تحریک پاکستان میں مسلم خواتین کے کردار پر مرزا صاحب ایک الگ کتاب لکھ چکے ہیں ۔ پنجاب گرلز فیڈریشن سے تعلق رکھنے والی دختران اسلام میں بیگم تصدق حسین ۔ بیگم شاہ نواز ۔ گیتی آرا ۔ بشیر احمد



بیگم کمال الدین فاطمہ ۔ بیگم زینب کاکاخیل ۔ بیگم کریم داد ۔ مس فاخرہ صدیقی ۔ ناصرہ کیانی ۔ خالدہ راٹھور بیگم امیر الدین جغتائی پیش پیش ہیں ۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو اللہ کریم نے کئی ایک غیر معمولی خوبیاں وافر طور پر عطا فرما رکھی تھی ۔ اُن کی نگاہ بلند تھی ۔ ہمت اَن تھک ، کامیابی ان کے قدم چومتی ۔

وہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مستقل صدر منتخب ہوئے ۔ ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لال نے اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو گروہ ہیں ۔ انگریز اور کانگرس ۔

قائداعظم نے للکار کر کہا ہندوستان میں **تین** گروہ ہیں تیسرا فریق مسلم لیگ ہے ۔ قائداعظم نے کمر ہمت باندھی ۔ برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض طوفانی دورہ کیا ہر جگہ مسلمانوں کو خطاب کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دسمبر ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ نے سو فیصدی یعنی تیس میں سے تیس نشتیں حاصل کیں صوبائی اسمبلیوں میں ۴۹۵ میں سے ۴۴۶ نشتیں حاصل کیں یہ سب سے زبردست گروہ تھی ۔

قائداعظم خود اعتمادی کے پیکر تھے ۔ دوسروں کو خود اعتمادی اور یقین محکم کے جذبہ سے سرشار کر دینے میں ید طولےٰ رکھتے تھے ۔ اپنے ساتھیوں کو یقین محکم اور عمل پیہم کا درس دیتے تھے ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء کو یوم پاکستان پر قوم کو پیغام دیا کہ " پاکستان ہماری مٹھی میں ہے "

اپریل ۱۹۴۵ء میں وائسرائے اور وزیر ہند کو تار بھیجے کہ مسلم لیگ سے مشورہ کے بغیر کوئی دستور نافذ کیا گیا تو اسلامیان ہند اس کی ڈٹ کر مخالفت کریں گے ۔

۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ۔
ہم گلنسی (گورنر) اور خضر (وزیراعظم) کو گھما کر چھوڑ دینگے وہ انصاف اور قانون کے پھندے سے بچ نہ سکیں گے ۔

## قائد اعظم کا صبر و استقلال مسلمہ ہے

ایک روش میں وہ بالخصوص لاثانی ہیں وہ روش خلوص کی ہے ۔ یہ ان کے قلب کی خاص

# تحریکِ پاکستان میں طلباء کا کردار

قائداعظم نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالتے ہی دو انقلابی پروگرام اپنائے ۔

۱ ۔ مسلم لیگ کو نوجوان کے ڈرائینگ روم سے نکال کر عوام میں لائے ۔

۲ ۔ طلباء اور طالبات کو نظریاتی طور پر مسلم لیگ کے ہم نوا بنانے کے لیے طلباء کی تنظیم کی اور پہلی ملک گیر تنظیم مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی براہ راست نگرانی کی ۔ طلباء اور طالبات اپنے عظیم اور مشفق قائد کے دل وجان سے عقیدت مند تھیں انہوں نے تحریکِ پاکستان کے جذبے سرشار ہو کر برصغیر کے دور دراز قصبوں اور دیہات میں گھر گھر جا کر قائداعظم کے افکار اور نظریات کی تشہیر کی ۔

۱ ۔ حمید نظامی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے ۔ جن کی پُرخلوص فعال اور زیرک قیادت ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی شان دار کامیابی کا باعث بنی ۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ تشکیلِ پاکستان میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ۔ اسلامیہ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ۔

۲ ۔ محمد مالک نے پاکستان کے شہید اوّل ہونے کی سعادت کی نہتے اور معصوم محمد مالک کو انیس سال کی عمر میں سناتن دھرم کالج کے ہندو طلباء نے "بندے ماترم" کے نعرے لگاتے ہوئے اینٹیں مار مار کر شہید کیا ۔ محمد مالک ایشیاء کی مشہور درس گاہ اسلامیہ کالج کے طالب علم تھے ۔ تحریکِ پاکستان کا عہدِ عروج تھا ۔ ڈاکٹر محمد حیات ملک پرنسپل تھے ۔

۳ ۔ آفتاب قریشی ہمراہ تھے انہوں نے نڈھال محمد مالک کی ابتدائی طبی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ میو ہسپتال پہنچایا ۔ خوب طرح سے نگرانی اور تیمارداری کا حق ادا کیا ۔ ڈاکٹروں نے بھی شفقت اور ہمدردی سے علاج کیا ۔ مگر محمد مالک زخموں کی تاب نہ لا سکے ۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ الرحمٰن ۵۵ : ۲۷

اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے آفتاب قریشی میرے خاص دوست تھے ۔

# اپوا

## آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن

پاکستان کی تشکیل کے بعد بیگم لیاقت علی رعنا نے از سرِ نو خواتینِ اسلام کی تنظیم کا بیڑا اٹھایا ۔ نئی تنظیم کا نام APWA ۔ اپوا رکھا گیا ۔ اپوا مخفف ہے ۔ آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کا ۔

کئی ایک خواتین نے دن رات اپوا کے لیے کام کیا ۔ ان میں پیش پیش بیگم صغریٰ رحیم بیگم نزہت فریدی ۔ بیگم سروری عرفان اللہ تھیں ۔ بیگم رعنا لیاقت علی خاں زندہ ہیں ۔

اپوا نے پاکستان کی خواتین کے لیے نیز رفاہِ عامہ کے لیے بڑے کام کیے ہیں ۔ بیواؤں کے لیے بڑے کام کیے ہیں ۔ صنعتی ادارے کھولے ہیں ۔ لڑکیوں کے لیے سکول اور کالج جاری کیے ہیں ۔

فیروز پور روڈ لاہور پر ایک شان دار ادارہ قائم کر رکھا ہے ۔ "بحالیٔ معذوراں" یہ ایک شہر ہے ۔ جہاں معذور بچوں کی پرورش ۔ رہائش تعلیم و تربیت اور علاج معالجہ کے لیے خاطر خواہ انتظامات ہیں ۔ بطور آؤٹ ڈور مریضاں عوام بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔

فزیو تھراپی کا معقول انتظام ہے ۔ میں نے ۱۹۸۶ء میں سارا فزیو تھراپی کا علاج کروایا ۔ پچھلے دنوں کراچی میں اپوا نے اقوام متحدہ کی ایک تقریب منائی یہ تقریب اقوام متحدہ کی چالیسویں سالگرہ کی تقریب کے سلسلہ میں تھی ۔

بیگم شائستہ اکرام اللہ صدر تھیں ۔ صوبہ سندھ کی صوبائی اسمبلی کے سپیکر جناب عبداللہ حسین ہارون مہمان خصوصی تھے ۔ حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے ۔ کہ اقوام متحدہ کے اس کنونشن پہ دستخط کر دے جس میں کہا گیا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں جو

۴- مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ،
اسلامیہ کالج کے قابلِ فخر طالب علم ہیں۔ ان کی امتیازی شان یہ ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں۔ ؎ مجھے ہے حکمِ اذاں

لا اِلٰہ اِلا اللہ

میں ابتدا ہی سے ان کی مجاہدانہ مساعی جمیلہ کا مداح ہوں اور خلوصِ دل سے ان کا عقیدت کیش ہوں۔ اللہ کریم ملتِ اسلامیہ کے اِس بطلِ جلیل اور جیالے مجاہد کو سلامت باکرامت رکھے۔ بڑے خاص کرم فرما ہیں۔

# مفکرِ پاکستان حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ

علامہ اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فلسفۂ خودی میں اسلام کو جدید انداز میں پیش کیا جس کی وجہ سے دینِ حق کی سچائیاں لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئیں اور مغربی الحاد کا طوفان بے اثر ہو کر رہ گیا۔ مسلمان جو بری طرح مایوسی کا شکار تھے۔ پکارنے لگے

تاریخ سے پوچھو کہ وہ دیتی ہے گواہی
ہم فوجِ محمد کے سپاہی ہیں سپاہی

قرآن کی آواز میں کعبے کی اذاں ہیں
ہم فخرِ جہاں فخرِ جہاں فخرِ جہاں ہیں

مسلمان مغلوب گمان تھا کہ زوال اسکی تقدیر ہے۔ علامہ نے حوصلہ بندھایا۔
لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (۳۹ : ۵۳)
اللہ کریم کے کرم پر ایمان رکھ۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔



ملت اسلامیہ تعلیم اور تنظیم کے لحاظ سے پس ماندہ تھی۔
علامہ کو یقین تھا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلہ میں ان کی پرخلوص کوشش اور انکے افکار رنگ لائیں گے

؎ میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہوگا

یورپین نئی تہذیب کی نئی سائنس کی بنیاد اس کا تجرباتی اندازِ علم ہے۔ اسمیں توہمات کو دخل نہیں تجرباتی اندازِ علم حقیقت میں اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام سسلی اور سپین میں آیا تو یورپ میں اسلام کے علم و حکمت کی کرنیں پھیلیں۔ مگر محض اسلام دشمنی کی بنا پر یورپ اسلام کے ان اثرات کا اعتراف نہیں کرتا۔ وہ اپنی تہذیب کے دھارے یونان سے جوڑتا ہے۔ حالانکہ یونان نظریاتی تھا تجرباتی ہرگز نہ تھا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے تجرباتی فکر کو اپنایا یہی فکر موجودہ سائنس کی بنیاد ہے
علامہ اقبال نے اِس حقیقت کو فاش کیا کہ تجرباتی اندازِ علم اسلام کا خاصہ ہے۔ دنیا میں جو ترقی ہو رہی ہے اس کا سرچشمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ آئندہ بھی علم و عرفان کے بارہ میں جو قدم اٹھے گا۔ آپ کی ہی تعلیمات کی روشنی میں اٹھے گا۔

ہر چہ بینی در جہانِ رنگ و بو — ہر کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ اورا بہا است — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

انکساری کے طور پر فرماتے ہیں کہ ان کی مساعی حقیر ہیں مگر موثر ہو کے رہیں گی۔

سفینۂ برگِ گل بنے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا

مسلمان کے دل و دماغ کو اک ولولہ تازہ سے معمور کرنے کے بعد علامہ نے اسے آگاہ کیا۔ ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
سبق پڑھ شجاعت کا صداقت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

## ے خیز چوں سرو بلند، شو بہ عمل تیز گام

مسلمانوں میں جامد تقدیر کے قائلوں کی کمی نہ تھی۔

مسلمانوں کو ہندو نے احساس کمتری کی گہرائیوں میں یہ کہہ کر گرایا تھا کہ وہ اقلیت ہیں انگریز نے یہ فلسفہ گھڑا اور پھیلایا کہ زوال پذیر قوم دوبارہ نہیں اٹھا کرتی علامہ نے انہیں احساسِ برتری سے دوچار کیا اور فرمایا۔

کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيرَةً

کُنتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ ہو (آل عمران ۳: ۱۰۹) ہمیشہ غالب ہو (البقرہ ۲: ۲۴۹) کبھی تھوڑے غالب آجاتے ہیں

قطرۂ بے مایہ ای گوہر تابندہ شو۔

علامہ نے سمجھایا کہ سچا مسلمان ہے تو "سوختن نا کام" کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا اور زندگی کا ہر لمحہ اپنی ذات کی تکمیل اور قوم کی فلاح کے لیے صرف کر۔ یورپ کا غلبہ عروج پر تھا۔

علامہ نے پیش گوئی کی۔ کہ یورپ کا غلبہ محض سراب ہے۔

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ

دنیا کی نظر میں صرف مغربی تمدن سمایا ہوا تھا۔ سب اس کے دل دادہ تھے۔ یہ ایک سراب تھا۔ اسمیں نہ خدا تھا۔ نہ خلق نہ خلوص! ایسا تمدن دیرپا نہیں ہوتا اس کی تقدیر بقاء نہیں فنا ہے۔

علامہ نے برملا فرمایا۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

علامہ کے نزدیک اسلام کی نشاۃ ثانیہ قریب ہے!

سنا ہے میں نے یہ قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا۔
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا



سیاست کے عملی میدان میں بھی علامہ کا کردار بے مثال ہے۔

۱۔ علامہ نے ہی دسمبر ۱۹۳۰ء میں حالات کا جائزہ لیا اور موثر انداز میں متحدہ ہندوستانی قومیت کو ناممکن قرار دیا۔

۲۔ علامہ نے ہی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنی زیرِ صدارت اپنا تاریخی خطبہ دیا اور اس میں واضح طور پر پاکستان کا تصور پیش کیا۔

۳۔ علامہ نے ہی سوئی ہوئی ملت اسلامیہ کو اپنے افکار سے جگایا۔ تشکیل پاکستان کے نظریے کا قائل کیا اور اس طرح حصولِ پاکستان کو کل ملتِ اسلامیہ کا متفقہ مطالبہ قرار دیا۔

۴۔ علامہ نے ہی ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کے نام تاریخی خط لکھا اور انہیں آڑے وقت میں مسلم لیگ اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔

پس تشکیلِ پاکستان کے لیے نظریاتی اور عملی طور پر راہ ہموار کرنے میں علامہ اقبال کا بہت ہاتھ ہے۔

مجھے بارہا علامہ سے ملنے اور انہی کی زبان سے اُن کے افکارِ عالیہ سننے اور انہیں اپنے دل و دماغ اور ذہن نشین کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

پس علامہ اقبال پاکستان کے محرکِ اول ہیں وہ ہمارے مصلح ہادی اور ناجی ہیں۔ آپ نے مایوسی میں ڈوبی ہوئی قوم کی رگوں میں جرأت انگیز حرارت پیدا کی انہیں موثر طور پر ان کے مقصدِ حیات سے آگاہ کیا۔ سلامتی کے ساتھ جادۂ منزل کی طرف چلنا سکھایا۔ اور صدیوں کی ذلیل غلامی سے نجات دلائی۔

# قرارداد لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء

منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس میں مولانا اے کے فضل الحق (مشرقی پاکستان) نے اپنی گرجدار آواز میں پاکستان کے قیام کی قرارداد پیش کی۔ لکھوکھا فرزندانِ توحید نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں میں منظور کی۔ اس جگہ آج مینارِ پاکستان ہے۔ ملتِ اسلامیہ کی عظمت اور سربلندی کی شہادت دے رہا ہے۔ اور ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

حضرت قائدِاعظم محمد علی جناح نے بنفسِ نفیس اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔

یہ قرارداد تحریکِ حصولِ پاکستان کی روح ہے۔

اسے ہی قرارداد پاکستان کہا جاتا ہے۔

## ۲۳، مارچ

قرارداد پاکستان کا مبارک دن ہے۔ یہ دن مسلمانانِ ہندوستان کی علیحدہ مملکت کے لیے جدوجہد کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس دن ہندوستان کے مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں اپنی غلامی کی داستان ختم کرنے اور دو قومی نظریہ کے تحت اپنے لیئے الگ وطن قائم کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔

اس دن پوری قوم کو قرارداد مقاصد پر عمل کرنے کا عہد کرنا چاہیئے اور اپنے عہد کی تجدید کرنا چاہیئے کہ ہم اپنے حسین اور عظیم وطن عزیز کو دنیائے اسلام کا ایسا مضبوط قلعہ بنا کے رہیں گے کہ اس کی سرحدوں پر نظر اٹھانے والے کی آنکھ نکال دیں گے۔ اس کی طرف ہاتھ اٹھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیں گے اور اس وحدت کے خلاف زبان چلانے والے کی زبان گدی سے کھینچ لیں گے۔

گذشتہ منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) کے وسیع عریض میدان آج مینارِ پاکستان قوم کی عظمت اور سربلندی کی شہادت دے رہا ہے۔



# تجدیدِ عہد کا دن ۲۳ مارچ

۲۳ مارچ وہ یادگار تاریخ ہے جس دن پاک و ہند کے مسلمانوں کی سب سے بڑی نمائندہ سیاسی تنظیم مسلم لیگ نے اپنے بے مثال اور محبوب قائدِ اعظم محمد علی جناح کی صدارت اور قیادت میں اپنے لیئے ایک الگ آزاد اور خود مختار وطن کا مطالبہ کیا۔ امتِ مسلمہ کا یہ روح پرور اجتماع اس وسیع اور دل کش میدان میں ہوا۔ جہاں آج بلند و بالا مینارِ پاکستان بانیٔ پاکستان اور جنت نظیر مملکت پاکستان کی عظمت کی شہادت دے رہا ہے۔ اس قرارداد لاہور کے بعد مسلمانوں کا قافلۂ حریت آن بان سے اپنی منزل کی طرف رواں ہوا۔ کٹھن رستہ کی ہر مشکل اور ہر رکاوٹ پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم۔ اپنے عزمِ صمیم اور اپنی ایمان افروز جدوجہد اور حیران کن یک جہتی کی بدولت قابو پاتے ہوئے انگریز حکومت اور ہندو اکثریت کی تمام تر مخالفت کے باوجود وطنِ عزیز حاصل کیا۔

مسلمانوں کو یاد ہے کہ انگریز اور ہندو نے مطالبۂ پاکستان کے سلسلہ میں اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے ہندوستان کی تقسیم میں خطرناک دھاندلی کی اور مسلمانوں کی حق تلفی کے ساتھ فرقہ پرست ہندو تنظیموں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اور لاکھوں بے گناہ مسلمان بچوں اور عورتوں کو تلوار سے موت کی گھاٹ اتارا۔ مسلمان خواتین کی بے حرمتی اور اغوا ہماری داستانِ آزادی اور اس آزادی کے لیے دی جانے والی قربانیوں کی وہ شاہ سرخی ہے۔ جو تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔

۲۳ مارچ کے دن ہمیں چند یادوں کو ذہن میں لانا چاہیئے۔!

۱- وطنِ عزیز کے حصول کے لیے کی گئی جدوجہد اور دی گئی قربانیاں
۲- مملکت کے حصول و قیام کے اغراض و مقاصد
۳- اس کی سالمیت اور بقا کے لیے تدابیر

ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ حصولِ آزادی کی نسبت اس کا تحفظ اور اس کی بقاء زیادہ اہم ہے اور زیادہ قربانیوں کا تقاضا کرتی ہے۔ آج ہمیں سوچنا چاہیئے کہ!

۱- آزاد مملکت کی بدولت ہم کن کن نعمتوں سے بہرہ ور ہیں۔
۲- اسکی آزادی اور اس کے استحکام کے لیے ہم نے اپنی ذمہ داریاں کہاں تک پوری کی ہیں۔
۳- اس کے حصول کے وقت ہم نے جن اغراض اور جن مقاصد کا تعین کیا تھا۔ انہیں کہاں تک پورا کیا ہے۔ ہمیں ایک لمحہ کے لیے اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ ہمارا وطن عزیز ایک نظریاتی مملکت ہے۔ ہمیں محاسبہ کرنا چاہیئے کہ کیا اس کے قیام کے اغراض و مقاصد کو خلوص نیت سے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

نظریاتی مملکت کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنا ہی اس کا استحکام ہے۔ اس سے نظر انداز کرنا اسکی بقاء کے جواز کو جھٹلانا ہے نظریاتی مملکت نظریات کی پاس داری اور انہیں عملی جامہ پہنانے سے ہی قائم اور دائم رہ سکتی ہے۔
اگر ہم نے اس سے انحراف کیا تو ہم خود اپنے ہاتھوں سے اس کے قیام کے جواز کو ختم کر رہے ہیں۔

پاکستان کے مسلمانوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قیام پاکستان سے پہلے حصولِ پاکستان کے علم برداروں نے بھارت کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا۔ کہ اگر بھارت میں ان پر کبھی ظلم ہوا تو پاکستان کے مسلمان اپنے مظلوم مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں گے۔
قائداعظم نے ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ طلبہ کی یونین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔!
"مسلم اقلیت کے صوبوں میں رہنے والے مسلمانو! علی گڑھ ہند کا اسلحہ خانہ ہے تم اس کے بہترین سپاہی ہو۔ اور قرار دادِ پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا مضبوط پاکستان ہندوستان میں بسنے والی مسلم قوم کی حفاظت کا ضامن ہو گا۔ اس پر کوئی ظلم ہوا تو آڑے وقت میں پاکستان اپنے مظلوم بھائیوں کے کام آئے گا۔"

## ۳ جون ۱۹۴۷ء

۳ جون ۱۹۴۷ء قائداعظم محمد علی جناح کی کامرانی کا دن ہے۔
۲۳ مارچ یوم پاکستان ہے
۱۴ اگست یوم آزادی ہے
۲۵ دسمبر قائداعظم کا یوم ولادت ہے۔
۳ جون حصول پاکستان کے اعلان کا مبارک دن ہے
اس دن قائداعظم نے آل انڈیا ریڈیو سے تقریر کی اور پاکستان زندہ و پائندہ باد کا نعرہ لگایا۔
ہمیں چاہیئے اس دن کو شان و شوکت سے منائیں اور جو مسلم اکثریت علاقے انگریز اور ہندوؤں کی سازش سے پاکستان میں شامل نہیں ہو سکے۔ انہیں حاصل کرنے کی عہد کی تجدید کریں قومی تہواروں کو صحیح طور پہ اور صحیح جذبہ کے ساتھ منانا ضروری ہے۔

## آیئے عہد کریں۔ کہ

ہم پاکستان کو عالم اسلام کا ایسا مضبوط قلعہ بنائیں گے۔
۱- اسکی سرحدوں پر نظر اٹھانے والے کی آنکھ نکال دی جائے گی۔
۲- اسکی طرف ہاتھ اٹھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔
۳- اسکی وحدت کے خلاف زبان چلانے والے کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔

۱۹۴۵ء ۱۹۴۷ء میں پورا برصغیر پاک و ہند اس نعرہ سے گونج اٹھا کہ
"لے کے رہیں گے پاکستان"

پاکستان کا مطلب کیا ؟ "لا الٰہ الا اللہ"

تحریک کے قائدین کے علاوہ جمعہ اور عیدین کے اجتماعوں میں کروڑوں مسلمانوں نے آہ وزاری کرتے ہوئے دعائیں مانگیں کہ اے قادر قدیر ہمیں ہنود یہود اور نصاریٰ کی غلامی سے نجات عطا فرما۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ آزاد ہو کر ہم صرف تیرے بندے بن کر رہیں گے۔ اور تیرے نام اور تیرے اسلام کی سربلندی کے لیے زندگیاں وقف کر دیں گے۔ نیکی کا بول بالا کریں گے بدی کے سدِّباب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

اس عہد کا نتیجہ تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے حالت کا رُخ بدل گیا۔ وہ تمام رکاوٹیں اور مخالفتیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ زنجیریں کٹتی چلی گئیں۔ پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہو گیا۔

۱۹۴۶-۴۷ء میں ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے صدق سے حصولِ پاکستان کا ارادہ کیا۔ اور سارا برصغیر "لے کے رہیں گے پاکستان"

اور پاکستان کا مطلب کیا۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔

اللہ کریم نے اپنی سنت ثابتہ کے مطابق مسلمانوں کی آرزو کا احترام فرمایا اور تمام موانعات کے باوجود پاکستان کی تشکیل کے اسباب مہیا فرما دیئے۔

برصغیر کی تمام قوموں کو یہ تاریخی حقیقت ہمیشہ سامنے رکھنی ہوگی کہ ہندو ایک عیار قوم ہے جن کا دھرم یہ ہے کہ اپنی وقتی ضرورت کو ہر حیلے اور ہر بہانے سے پورا کیا جائے۔ اس کے ہاں اصول اور وعدہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

کہنے کو اس کا پہلا دھرم آہنسا ہے۔ یعنی کسی جانور کو تکلیف نہ دینا۔ عملی طور پر اس کا وطیرہ یہ ہے کہ صرف اپنے آپ کو دیسی اور مہاجن جاننا۔ باقی ہر ایک کو بدیسی (غیر) اور اچھوت (پلید اور گھٹیا) قرار دینا۔

اپنے حق کے پیشِ نظر اپنے علاوہ ہر قوم کا مکمل سوشل بائیکاٹ کر کے اسے اپاہج کر دینا اور اسکے خون کے آخری قطرے تک کو چوس لینا یہی سلوک ہندو نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کے ساتھ روا رکھا۔ اسی حربہ سے مسلمان نو واردوں کو ذبح کرنا چاہا۔



ہندو نے کبھی مسلمان کو اپنے سینے کو اپنے سینے سے نہ لگایا۔ ہمیشہ ہندو مہاجن مسلمان ملیچھ کے گُر کو اپنایا۔ عملی طور پہ یہ کہنا کہ ہندو ہندو ہے مسلمان مسلمان ہے۔ ان کا باہم کوئی ملاپ نہیں۔

مگر جب انگریز جانے لگا تو انتقال اقتدار کا سوال پیدا ہوا۔ تو ہندو نے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا۔ یہ برملا کہا کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم ہے۔ مسلمان اور سکھ کا یہاں کوئی وجود نہیں۔

"ہندو۔ مسلم۔ سکھ۔ عیسائی
سارے سارے بھائی بھائی۔ میٹھا بول کا راگ الاپا۔

انگریز کے خلاف نہ ہل ورتن کا محاذ قائم کیا۔ اور "انگریز مردود دفع ہندوستان سے دفع ہو جاؤ" کا نعرہ بلند کیا۔ مگر تقسیم ہند کا وقت آیا۔ تو ماؤنٹ بیٹن کو سینے سے لگایا اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے سکھ اور انگریزوں سے گٹھ جوڑ کیا۔ مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف عدم موا خات کا دھوکا دے کر عدم موالات کے غلط راستے پر چلایا۔ سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اور مسلمان خواتین کے اغوا اور مسلمان نوجوانوں کے قتل و غارت پہ آمادہ کیا۔ انہیں خالصتان کا لالچ دیا۔ مکر گیا۔ یہ کہنے بناتے خالصتان (پھولکیاں سٹیٹس ) پر قبضہ کر کے سکھوں کو کہیں کا نہ چھوڑا۔

سکھوں کے دربار صاحب پر پہلا بول دیا جس کی بنیاد حضرت میاں میرؒ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے رکھی تھی۔ دربار صاحب میں سکھ نوجوانوں اور سیوا داروں کو جس بے دردی سے ذبح کیا گیا اور اکال تخت کی جس بے حیائی سے بے حرمتی کی گئی وہ تاریخ کا تاریک ورق انمٹ ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے ہندو مظالم کی منہ بولتی تصویر ہے۔

اللہ کے ہاں دیر ہے۔ اندھیر نہیں۔ یہاں مکافات عمل کا قانون جاری ہے۔ مسلمانوں کو برباد کرنے والے خود تباہ ہو رہے ہیں۔ امرتسر کو جلانے والے جل رہے ہیں۔

اس کتاب میں تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں جو مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ مقصود کسی ذات یا کسی قوم کی تحقیر یا نفرت نہیں اسلام پڑوسی کے ساتھ نیک برتاؤ کو ایمان کی شرط قرار دیتا ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں۔ اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں۔ اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کون! یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا وہ جس کے اعمال کی شامت سے اس کے پڑوسی بے خوف نہیں۔

بھارت اور پاکستان ہمسایہ ملک ہیں دنیا کے امن وامان نیز انکے اپنے مفاد کی خاطر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔

آج ان دونوں کو صرف مغرب کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ مضبوط پاکستان اس خطرے کا سدِّ باب ہے۔ ہندوستان اس پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ پُر امن اور مستحکم بھارت پاکستان کے لیے طاقت اور پشت پناہ ہے۔ بشرطیکہ وہ اسکا خیر خواہ ہو۔

بھارت کو یہ نہ کہنا چاہیئے کہ ہائے پاکستان کے بن جانے سے بھارت ماتا کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ کہنا چاہیے کہ واہ۔ واہ بھارت ماتا نے اچھے بچے کو جنم دیا ہے وہ پاکستان ہے اللہ کرے کہ پاکستان بڑھ پھول کر نوجوان ہو۔ اور بھارت ماتا کا سہارا ثابت ہو۔ نوجوان اور مضبوط پاکستان بھارت کے لیے طاقت اور تعاون و توانائی کا سرچشمہ ہوگا بھارت پہلے ایک تھا۔ اب پاکستان کی تشکیل کے بعد ایک نہیں ایک اور ایک گیارہ ہے۔

یاد رہے کہ جس ہادیٔ برحق نے ہمسایہ کے ساتھ حسنِ سلوک کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ اُسی کا ارشادِ گرامی ہے۔ کہ مومن چوکس رہے۔ ایسا بھولا بادشاہ نہ بنے کہ بدخواہ اسے ڈستے رہیں اور وہ اپنے نفع ونقصان سے بے نیاز ہو۔

فرمایا۔ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

پاکستان کو اپنے استحکام کے لیے موثر تدابیر بروئے کار لانا لازم ہے اسے چاہیئے کہ!



١. فرقہ واریت اور صوبائی عصبیت کو دل وجان سے مکمل طور خیر باد کہے۔

٢. ٹیکنالوجی میں خاطر خواہ دسترس حاصل کرے۔ ہر شعبۂ زندگی میں اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو دوسروں کے سہارے جینا کافی نہ سمجھے

٣. اپنے نوجوان طبقہ کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ مسلمان نوجوان معاش کی تلاش میں بیرونی ملکوں کا رخ نہ کریں۔ اپنی صلاحیتیں اپنے وطن عزیز کی خدمت کے لیے بروئے کار لائیں۔

٤. کانگرسی ذہنیت کے لوگ جو کسی وقت تشکیل پاکستان کے خلاف تھے۔ اب مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرح پاکستان کو قبول کریں۔ اور اس کے استحکام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ وطن عزیز کی وفاداری اور خیر خواہی ہر اچھے شہری کا شیوا ہے۔

٥. پاکستان کا ہر شہری امن وامان کا ماحول برقرار رکھنے میں اپنا فرض ادا کرے۔ ہر مسلمان۔ خود سلامتی ہی ہے۔ دوسروں کے سکون اور سلامتی کا ضامن ہے۔ ہر مخلص مومن خود امن میں رہے۔ دوسروں کو امن وامان میں رہنے دے۔

٦. ہر پاکستانی خود امن اور سلامتی کا پیکر ہو۔ دوسروں کو امن اور سلامتی کا درس دے۔ برائی کو روکے۔ نیکی کو پھیلائے۔

٧. علمائے کرام براہِ کرم فرقہ واریت اور تعصب سے بالاتر رہ کر اعلیٰ اخلاق کی اقدار۔ سچائی۔ امانت اور دیانت۔ عدل۔ مساوات۔ رواداری اور انصاف کے علم بردار بنیں۔ رشوت۔ فحاشی۔ صوبائی عصبیت اور فرقہ واریت فتنہ وفساد کے خلاف جہاد کریں۔

٨. مغربی تعلیم یافتہ گروہ اسلام کے قابلِ عمل ہونے پر یقین کرے۔ اسلام کے روشن مستقبل کا قائل ہو اور اللہ کا نام لیکر اسلام کے نشاط ثانیہ کا علم بردار بنے اللہ کریم آپ کا حامی اور مددگار ہو۔ آمین۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ حق ہے ناگزیر ہے۔ مسلمان اپنے زمانہ میں غلبۂ اسلام دیکھنا چاہتا ہے۔ تو قرآن کریم کی روشنی میں اپنی اصلاح و فلاح کے لیے تیار ہو جائے۔

(۹) حکومت کو چاہیئے کہ امت مسلمہ کی اصلاح اور فلاح کا جامع منصوبہ بروئے کار لائے۔ تاکہ مسلمانوں کو جہالت بے روزگاری افلاس پسماندگی سے نجات حاصل ہو۔ وہ علم وفن میں مناسب مقام حاصل کر کے خوشحالی اور فارغ البالی کی راہ پر قائم و دائم ہوں۔
پاکستان کے دشمن عناصر کو کھلم کھلا دندناتے پھرنے کی مہلت نہ ملنی چاہیئے ان کے منہ میں لگام دینے کی تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔

(۱۰) عوام کو چاہیئے نفاذِ اسلام اور پاکستان کے استحکام اور مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلہ میں صدر پاکستان اور وزیر اعظم پاکستان اور اپنے وزیر اعلیٰ کے ساتھ دل وجان سے تعاون کریں۔ وطن دشمن عناصر کے خلاف از خود شعور بیدار کریں اور انکے خلاف متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیواریں جائیں۔



(۱۰)

# یاد رہے گی یازہ ان کی

فروری ۱۹۸۶ء کو سارا مہینہ میں نے اپنے علاج معالجے کے لیے ادارہ بحالی معذوراں ۱۱۱ فیروز پور روڈ۔ لاہور میں بلا ناغہ حاضری دی۔ فزیو تھراپی کے سلسلہ میں مجھے جناب اشتیاق احمد صدیقی سے واسطہ پڑا۔

صدیقی صاحب کی شفقت کا یہ عالم کہ ورزش بھی کرواتے۔ اور ساتھ ہی میری دل لگی کے لیے ادبی لطیفے سناتے ان کے ادبی لطیفے آج کے نوجوان طبقہ کے لیے گراں قدر سرمایہ ہیں۔ میں صدیقی صاحب سے معذرت کے ساتھ چند ایک یہاں بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہوں

صدیقی صاحب کے کمرے کا میز کافی اونچا ہے۔ فرمایا اس پر چڑھیے اور لیٹیے میں نے عرض کیا میں اس پر چڑھ ہی نہیں سکتا۔ فرمایا۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

آخر جوں توں کر کے میں میز پر چڑھ گیا تو فرمایا:

قدم چوم لیتی ہے خود بڑھ کے منزل
مسافر اگر اپنی ہمت نہ ہارے

اگلے دن پھر میز پر چڑھنے کی مہم پیش آئی میں ہچکچاتا تھا۔ فرمایا۔

ارادے باندھتا ہوں۔ سوچتا ہوں۔ توڑ دیتا ہوں
کبھی ایسا نہ ہو جائے۔ کہیں ویسا نہ ہو جائے

ڈاکٹر برہان صاحب اور ڈاکٹر طبیب ہسپتال میں چکر لگا کر مریضوں کے پاس جا جا کر بیمار پرسی کر رہے تھے اور معذوروں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے میں ان حضرات کی منکسر المزاجی سے متاثر ہوا۔

مریضوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں ڈاکٹر بہ ہان صاحب کی انکساری پر
صدیقی صاحب نے فرمایا۔ جو اعلےٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے چلتے ہیں۔

صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانے

صدیقی صاحب نے دیکھا تو فرمایا۔ ؎

ہنسو۔ نہ اہلِ ساحل اہلِ طوفاں پہ۔
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کنارے ڈوب جاتے ہیں۔

میں نے بڑی مصروف زندگی گزاری ہے۔ اب عالمِ ضعیفی میں مفلوج اور معذور ہوں
صدیقی صاحب نے مایوسیوں کا شکار ہوتے دیکھا تو یہ خیال دیکھ کر میری ڈھارس بندھائی

حوادث سے اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے محرومیوں پر اشک برسانا نہیں آتا۔

میرے تبلیغی لٹریچر کو دیکھا تو فرمایا۔ ؎

ارادے پختہ ہوں جن کے اور نظر جنکی خدا پر ہو۔
تلاطم خیز موجوں میں وہ گھبرایا نہیں کرتے۔

ایک دفعہ بات چل نکلی حُبِّ وطن کی فرمایا۔ حبِّ وطن کا جذبہ ہر شریف النفس انسان
کی فطرت کا تقاضا ہے۔ تمثیل کے طور پر فرمایا۔ ایک درخت پر چند پرندے رہتے تھے اتفاق
سے درخت کو لگ گئی آگ پرندے مطمئن بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے دیکھا تو کہا ؎

آگ لگی اس برچھ کو جلیں ہیں اس کے پات
تم کیوں جلتے پنچھیوں پنکھ تمہارے ساتھ۔

پرندوں کو وطن سے محبت تھی۔ بولے۔ ؎

میوے کھائے اس برچھ کے بیٹھ بسیرے پات
اب تو اڑنا دھرم نہیں جلیں گے اس کے ساتھ

تاہم انسان ہے کہ بعض دفعہ جس وطن میں رہتا ہے اس کی وفاداری پر پورا نہیں
اترتا۔ خود پاکستان میں آباد ہیں۔ لیکن وطن دشمن ہرزہ سرائی سے نہیں رکتے۔



ایسے احسان فراموش پرندوں سے بھی بدتر ہیں۔ پرندے حقیر مخلوق ہیں۔ تاہم وطن کی
محبت میں سرشار ہیں۔ صرف انسان ہے۔ جس کا ضمیر اتنا مردہ ہو سکتا ہے۔ کہ جس وطن میں رہے
اس کا بدخواہ ہو۔ ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت۔ ننگِ دیں۔ ننگِ وطن۔

علامہ اقبال رح

ادارہ بحالی معذوراں پورا شہر ہے ہزارہا معذور مریض ہر روز علاج معالجہ کے لیے
آتے ہیں۔ ادارہ کا اپنا اقامتی سکول ہے۔ جس میں سینکڑوں معذور طلباء داخل ہیں۔
بعض دفعہ مریض ایک دوسرے پر ہنس دیتے ہیں۔
معذور بچے باہم اٹکلیاں کرتے۔ اچھے بچے معذور بچوں پر پھبتیاں اڑاتے۔

غلطی ہائے مضامین پر

## معذرت

بوجہ علالت اور نقاہت میں اس کتاب کے
مسودہ کی تصحیح نہیں کر سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔
احباب براہِ کرم اغلاط سے مطلع فرمائیں تاکہ
دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

طالب دعا۔ محمد عبدالحکیم عفی عنہ

# مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ لوہاری منڈی لاہور۔۸

حوالہ نمبر: ———— تاریخ: ————


حضرت مصنف کی دیگر تصانیف

۱ - احادیث مبارکہ: پاک و ہند کے کئی ادارے اسے شائع کر چکے ہیں

۲ - اسلامی نصاب پہلا حصہ: نوری کتب خانہ، لاہور

۳ - اسلامی نصاب حصہ دوم: مکتبہ قادریہ، لاہور

۴ - اسلامی نصاب حصہ سوم: الحکمت، لاہور

۵ - اسلامی نصاب حصہ چہارم (دانائے سبل) الحکمت لاہور

۶ - عالمی غلبۂ اسلام اور استحکام پاکستان: الحکمت، لاہور

۷ - اصلاح معاشرہ (زیرِ طبع)

۸ - مجالس خیر ( " )

۹ - میری کتاب ( " )

۱۰ - بیاد مجلس اقبال ( " )

| کتب | نام مصنف | قیمت |
|---|---|---|
| المقدمۃ الجزریۃ (مترجم) | علامہ جزری شافعی ترجمہ قاری محمد یوسف بغدادی۔ | ۵/۰۰ |
| بدائع منظوم | حاشیہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری | ۶/۰۰ |
| تجوید | استاذ القراء قاری محب الدین احمد الہ آبادی | ۲/۲۵ |
| تاسیس النظر عربی | امام ابو عبداللہ بن عمر بن عیسی الاوسی | ۱۰/۰۰ |
| پندنامہ | شیخ عطار۔ حاشیہ مولانا بشیر احمد سیالوی | ۵/۰۰ |
| جواہر المنطق | مولانا بدر الدین احمد قادری | ۸/۰۰ |
| شرح میر زاہد ملا جلال (عربی) | شارح علامہ عبدالحق خیر آبادی | ۱۸/۰۰ |
| شرح مرقات | " " " " | ۱۸/۰۰ |
| صرف بھترال | مولانا حکیم منور الدین | ۱۰/۵۰ |
| فارسی قاعدہ | مولانا عبدالرشید فتح پوری | ۳/۰۰ |
| قانونچہ کھیوالی | مولانا نور الحسن | ۷/۰۰ |
| کریما (سعدی) | حاشیہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری | ۲/۰۰ |
| نام حق | " " " | ۳/۰۰ |
| نحو میر (اردو) | " " " | ۱۳/۵۰ |
| نقشۂ صرف | مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی | ۵/۰۰ |
| التوسل | حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی | ۶/۰۰ |
| اسلامی نصاب دوم | جناب قاضی عبدالحکیم ایم اے | ۱۰/۵۰ |
| العقد النامی شرح شرح جامی عربی | علامہ رحمی اکینی | ۶۵/۰۰ |

| | | |
|---|---|---|
| اسلامی نصاب چہارم | جناب قاضی عبد الحکیم ایم اے | ۱۶/۵۰ |
| المبین (عربی زبان کی برتری) | مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری | ۲۱/۰۰ |
| الروض المجود (تحقیق مسئلہ وحدۃ الوجود) | علامہ فضل حق خیر آبادی | ۷/۵۰ |
| زلزلہ Eng | علامہ ارشد القادری | ۲۰/۰۰ |
| العلامۃ فضل حق الخیر آبادی (عربی) | ڈاکٹر قمر النساء بیگم | ۹۰/۰۰ |
| الیواقیت المہریۃ (عربی) | مولانا غلام مہر علی چشتی | ۱۵/۰۰ |
| امتیاز حق | راجا غلام محمد | ۱۸/۰۰ |
| استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی | نواب محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی | ۴/۵۰ |
| تاریخی فیصلہ | مولانا محمد وحید الدین امانی | ۴/۵۰ |
| تاریخ تناولیاں | سید مراد علی گڑھی | ۷/۵۰ |
| خطبات رضویہ | اعلیٰ حضرت بریلوی | ۳/۰۰ |
| دوام العیش | " " | ۷/۵۰ |
| دو اہم فتوے | " | ۷/۵۰ |
| دو نامور مجاہد | مولانا محمد صدیق ہزاروی | ۴/۵۰ |
| سبع سنابل (فارسی) | سید السادات امیر عبد الواحد بلگرامی | ۲۷/- |
| سنی کانفرنس ملتان (روئداد) | محمد عبد الحکیم شرف قادری | ۶/۰۰ |
| قاضی سلطان محمود | سید نور محمد قادری | ۱/۵۰ |
| مولانا عبد القدیر بدایونی | پروفیسر محمد مسعود احمد | ۲/۰۰ |
| نغمۂ توحید | مولانا محمد عبد الغفار ظفر صابری | ۱۸/۰۰ |
| المرقاۃ (عربی) | علامہ فضل امام حاشیہ مولانا محمد عبد الحکیم | ۱۳/۵۰ |

○ قرآن پاک کا صحیح اور سب سے زیادہ مقبول ترجمہ
○ مسلک اہل سنت وجماعت اور سلف صالحین کا سچا ترجمان
○ بارگاہِ الوہیت کے تقدس اور احترام نبوت کا کما حقہٗ پاسدار
○ کوثر و تسنیم میں دُھلی ہُوئی زبان

# کنزُالایمان شریف

ترجمہ

## امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز

تفسیری حواشی

| خزائن العرفان | نورالعرفان |
|---|---|
| مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ | مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہٗ |

قرآن پاک کا ترجمہ خریدتے وقت مترجم کا نام یاد رکھیے
مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ

پاکستان کے موجودہ ایک سو سے زیادہ علماء کا مفصل تذکرہ

## تعارف علماء اہل سنت

ترتیب : مولٰنا محمد صدیق ہزاروی

---

خطۂ پاک سے تعلق رکھنے والے پونے دو صد علماء و مشائخ قدست اسرارہم کے مستند حالات اور قابل فخر خدمات

## تذکرہ اکابر اہل سنّت

ترتیب مولٰنا محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

مسئلہ شفاعت اور فضائل مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

## تحقیق الفتوی

اردو / فارسی

تصنیف : عاشق رسول علامہ فضل حق خیرآبادی

ترجمہ و تقدیم : مولٰنا محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

فضل حق خیرآبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ

## امتیاز حق

جسے تاریخ کے پروفیسروں اور دانشوروں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا

تصنیف : جناب راجا غلام محمد صدر ادارہ ابطال باطل لاہور ،

---

صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و برکات

قرآن و حدیث اور ارشادات سلف کی روشنی میں

## برکات آل رسول

تصنیف : علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی

ترجمہ : مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

بارگاہ رسالت میں نامور شعرا کے استغاثوں کا

ایمان افروز مجموعہ

## اغثنی یا رسول اللہ

صلی اللہ علیک وسلم

ترتیب : مولٰنا الحاج محمد منشا تابش قصوری

---

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی خونچکاں داستان

## باغی ہندوستان

تصنیف : بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادی

ترجمہ و تقدیم : عبدالشاہد خاں شروانی

---

بے مثال خواص کی بنا پر دنیا کی تمام زبانوں پر

عربی زبان کی فوقیت پر منفرد کتاب

## المبین

مولٰنا سید سلیمان اشرف بہاری